عزیزم
حبہ خالد

Book : Azizam

Author : Hiba Khalid

Genre : Friendship Love, Romantic Novel

یہ کہانی نہیں داستان ہے اور داستان تو سچی ہوتی ہے

پیش لفظ

میرا سب سے پہلا ناولٹ عزیزم، اسے آپ لوگوں تک پہنچانے اور آپ لوگوں کے ری ایکشن جاننے کے لیے جہاں میں بہت ایکسائیٹڈ ہوں وہیں نروس بھی محسوس کر رہی ہوں۔ جس طرح ہر پہلی دفعہ کی کوشش میں غلطیاں ہوتیں ہیں اسی طرح میری اس تحریر میں بھی آپکو میری غلطیاں نظر آئیں گیں۔ ہم سب کی زندگیوں میں ایک ایسا پہلو ضرور ہوتا ہے جس کا ہماری زندگیوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ آپ کو اگر لگتا ہے آپ دنیا کو کچھ بتانا چاہتے ہیں تو اس کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ ہر انسان کے اظہار کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ ویسے ہی مجھے بھی اپنے اندر موجود خیالات کا اظہار کرنا تھا اور میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کوئی لکھاری بنوں گی یا کچھ تحریر کروں گی۔ ایک سال پہلے میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا جو آج ایک مکمل کہانی کے طور پر میں نے آپ لوگوں کو پیش کیا ہے۔ اس کہانی کے کچھ پہلو میری زندگی سے جڑ رہے تھے۔ میں جب عزیزم لکھ رہی تھی تو مجھے کچھ جگہوں پر لگا تھا کہ ذہن کے

کہیں بہت پیچھے کچھ چیزیں جن کا میں نے اپنی زندگی میں تجربہ کیا تھا وہ اس کہانی میں انجانے میں شامل تھیں۔ مگر یہ کہانی کسی کی زندگی سے متاثر ہو کر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ یہ میری اپنی تخلیق ہے۔ میں نے عزیزم لکھتے ہوئے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ آپ لوگ اس سے خود کو ریلیٹ کر سکیں۔ کیونکہ آپ اگر کہانی کے کرداروں کو خود سے ملاتے ہیں تو آپ کو کہانی کا مقصد زیادہ جلدی سمجھ آتا ہے۔ آپ سب کی محبت اور سپورٹ کی وجہ سے ہی آج عزیزم مکمل ہو پایا ہے۔ میں آپ سب کی بہت شکر گزار ہوں۔

انتساب

یہ ان تمام لوگوں کے نام جو اپنے عزیزم آپ ہیں۔ آپ سب کا عزیزم ہے جو کبھی اندرونی صورت میں ہوتا ہے کبھی بیرونی۔

تعارف

تعلقات کی الجھن میں وہ ایک ڈور جو کہیں پہلے ہی چھوٹ گئی تھی کیا اسے بھلا دیا گیا یا اسی کے سہارے زندگی گزاری گئی۔ ڈور کا دوسرا سرا ملنا ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتا مگر کیا وہ عزیزم اس کے مقدر میں تھا؟۔۔۔ وہ وٹینگ ایریا میں بیٹھی کچھ مضطرب سی نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ موبائل کی وائبریشن نے ایک بار پھر اس کی دھڑکن تیز کی تھی۔ ہاں وہی پیغام تھا یہ۔ یہ سلسلہ بہت پرانا تھا۔ وہ لڑکا فون پر بات کر رہا تھا جب اسے کسی نے پکارا تھا۔ وہ پیچھے مڑا تو برف کا پتلا بن گیا تھا۔ نہیں یہ اس کا خواب نہیں تھا۔ اس بار یہ اسکا خواب نہیں تھا وہ واقعی وہاں موجود تھی۔

عزیزم

حباخالد

بے نام سا یہ درد ٹھہر کیوں نہیں جاتا

جو بیت گیا ہے وہ گزر کیوں نہیں جاتا

سب کچھ تو ہے کیا ڈھونڈھتی رہتی ہیں نگاہیں

کیا بات ہے میں وقت پے گھر کیوں نہیں جاتا

وہ ایک ہی چہرہ تو نہیں سارے جہاں میں

جو دور ہے وہ دل سے اتر کیوں نہیں جاتا

میں اپنی ہی الجھی ہوئی راہوں کا تماشہ

جاتے ہیں جدھر سب میں ادھر کیوں نہیں جاتا

وہ خواب جو برسوں سے نہ چہرہ نہ بدن ہے

NOVEL IN URDU

وہ خواب ہواؤں میں بکھر کیوں نہیں جاتا

ندا فاضلی

باب اول

سر راہ

سورج پورے آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ پرندے گرمی کی شدت کی وجہ سے درخت کی اوٹ میں جا چھپے تھے۔ وہ آج پھر اپنا عہد پورا کرتے ہوئے سکول جا رہی تھی۔ ایک ہی ہفتے میں بچے اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ وہ روز ہی اس کی آمد کے منتظر ہوتے۔ وہ کلاس میں داخل ہوئی تو بچوں نے اسکا بھرپور استقبال کیا۔ "مس اسلام وعلیکم" بچوں نے بیک وقت کہا تو اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ "وعلیکم السلام" اس نے بہت نرمی سے بچوں سے کہا۔ "مس آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں"۔ ایک بچی نے کہا جو پونی ٹیل میں سامنے کی سطر میں بیٹھی تھی۔ وہ آج گلابی رنگ کے پیروں تک آتے فراک اور چوڑی دار پاجامے میں دونوں کندھوں پر دوپٹہ برابر ڈالے ہم رنگ لپس سٹک لگائے واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ اسکی بات پر مسکرائی اور شکریا ادا کیا۔ "چلو بچوں آج کا سبق پڑھ لیتے ہیں پھر میجکل ورلڈ میں جائیں گے" وہ بچوں کو پریوں اور تصوراتی دنیا کی کہانیاں سناتی تھی۔ اور بچے اسے بہت غور سے سنتے۔ وہ سب بچوں کی فیورٹ تھی۔

چھٹی کا وقت تھا اور ملتان کی شاہراہوں پر ٹریفک کا ایک سیلاب تھا۔ وہ جتنی بھی مشکل ہو گھر کی گاڑی پر کبھی نہ آتی تھی حالانکہ گھر میں ڈرائیور بھی موجود ہوتا اور اسکو خود بھی ڈرائیونگ آتی تھی مگر اسے لگتا تھا کہ وہ ایسا کر کے غریبوں کا دل دکھا رہی ہو۔ اسی لیے وہ پبلک ٹرانسپورٹ کا استعمال کرتی تھی۔ وہ ٹریفک کی اس گہما گہمی میں میٹرو میں داخل ہوئی اور آخر کی سیٹ پر بیٹھ گئی پھر ونڈو سے باہر دیکھنے لگی جب اس کے سامنے وہ منظر آیا جہاں میٹرو اسٹاپ پر ایک بچہ اپنے میلے کچیلے لباس میں ہاتھوں میں گجرے لیے لوگوں کو دکھا رہا تھا۔ وہ گاڑیوں کے پاس جاتا کسی گاڑی کے شیشے کے پاس جا کر کھڑا ہوتا تو وہ اسے وہاں سے ہٹنے کا کہتے۔ بچے کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ میٹرو پر چڑھ کر اوپر آیا۔ زاریہ نے اسے بلایا۔ "ادھر آؤ بچے" تو بچہ دوڑ کر اس کے پاس آگیا۔ "جی باجی آپ کو پول (پھول) خریدنے ہے؟" نہیں مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے" بچے نے چند عالم نا سمجھی میں زاریہ کو دیکھا پھر بولا "جی پوچھو باجی۔ " تو زاریہ نے اپنی بات جاری کی۔ "تم سکول کیوں نہیں جاتے؟" بچے نے سر جھکا کر کہا۔ "باجی ام غریب لوگ ہے امارا کام پیسے بنانا اے سکول کے فیس کے لیے پیسہ کہاں سے لائے گا۔" وہ جانتی تھی جواب کچھ ایسا ہی ہو گا۔ "تم فیس کی فکر نہ کرو وہ مجھ پر چھوڑ دو وہ سامنے سکول دیکھ رہے ہو؟" بچے نے سامنے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر سر کو ہاں میں ہلایا۔ "تم کل سے میرے ساتھ اس سکول آؤ گے میں تمہیں کتابیں یونیفارم بھی لے کر دوں گی۔" لڑکے نے پریشانی سے اسے دیکھا۔ "لیکن باجی میرا باپ مجھے بہت مارے گا اگر میں پیسے لے کر گھر نہ گیا تو۔ " "کتنا کماتے ہو ایک دن کا؟" "باجی ستر روپے" "وہ ستر روپے میں تمہیں دے دوں گی۔ ٹھیک ہے؟" بچے نے مسکرا کر اسے دیکھا

ٹیک اے باجی۔ میں کل سے پڑنے آؤں گا" اس نے بھی مسکرا کر اسے دیکھا۔

وہ اب حیات ہاؤس کے سامنے کھڑی تھی۔ یہ ایک عالیشان کوٹھی تھی جس میں گنتی کے چند لوگ رہتے تھے۔ گھر سے اندر داخل ہوا جائے تو سامنے ایک وسیع لان تھا. لان کے ایک طرف راہداری تھی جو اندر مین دروازے کی طرف جاتی تھی جبکہ دوسری راہداری لان کی طرف جاتی تھی۔ وہ لان کی راہداری پر چلتے ہوئے اسی کی طرف بڑھ آئی جہاں کرسی لگائے تایا اور دادا بیٹھے تھے۔ وہ سیدھا ان کے پاس آ گئی۔ "اسلام وعلیکم دادا اسلام وعلیکم تایا جان" دادا اور تایا نے اسے دیکھ کر سلام کا جواب دیا۔ وہ تیسری کرسی کھینچ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔ "کیسا رہا سکول میری بیٹی کا؟" یہ تایا جان نے پوچھا تھا۔ وہ بچپن سے ہی اپنے تایا کی بہت لاڈلی تھی۔ اس کی فیملی میں امی ابو تایا تائی اور ان کا ایک بیٹا شازل جو زاریہ سے تین سال بڑا تھا اور چھوٹی بیٹی علینہ جو زاریہ کی ہم عمر تھی اور دادا شامل تھے۔ وہ اپنی امی کے گزرنے کے بعد سے دادا یا تایا کے ساتھ ہی اپنا زیادہ وقت گزارتی تھی۔ اس کے بابا حیات علی ایک نامور بزنس مین تھے اور ان کا زیادہ تر وقت میٹنگز اور کاروباری مصروفیات میں گزرتا تھا۔ وہ گھر یا بیٹی پر توجہ نہ دے سکتے۔ تائی امی کو زاریہ کا وجود ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ اس کو ہمیشہ تانے دیتی اور اپنی بیٹی کی تعریفیں کرتی رہتیں تھیں۔ لیکن وہ بھی زاریہ تھی جو ان کی باتوں کو انہیں کے انداز میں لپیٹ کر لوٹاتی تھی۔ "اچھا رہا دن تایا بس تھوڑی تھک گیئ۔" اس نے تایا جان کو تکان بھری مسکراہٹ سے دیکھ کر جواب دیا اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ "تایا جان کچھ پیسے مل سکتے ہیں" تایئ اب ہاتھ میں چاۓ کا ٹرے لیے ان کی طرف آ رہیں تھیں۔ تائی نے ٹرے کرسیوں کے درمیان میں پڑی میز پر رکھا۔ پھر ایک کپ دادا کو دیا دوسرا کپ اٹھا کر تایا کی جانب بڑھایا انھوں نے کپ پکڑتے ہوئے زاریہ سے کہا "کس لئے چاہیے ہیں پیسے بیٹا" وہ اپنا چاۓ کا کپ خود اٹھا کر پیچھے ہوئی پھر بولی "تایا وہ آج ایک غریب بچہ ملا وہ سکول آنا چاہتا ہے تو میں نے اس کے اخراجات کا ٹھیکہ سنبھالنے کا سوچا ہے تو اس لیے۔" اس نے تائی

کی جانب دیکھا اس کو پتہ تھا کہ وہ اب اُدھم تو ضرور مچائیں گی۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا تم میرا کریڈٹ کارڈ رکھ لو جتنے پیسے چاہئیں ہوں لے لینا۔ "کارڈ پکڑتے ہوئے اس نے جتاتی نظروں سے تائی کو دیکھا جو آگ بگولا ہوئیں اسے گھور رہیں تھیں۔ اس کو تو بس بچے کی مدد کے لیے ہی رقم چاہیے تھی لیکن جو مزہ تائی کو اس انداز میں دیکھنے کا تھا وہ اور کہاں، آخر وہ بھی تو اسے ہر وقت جلی کٹی باتیں سناتی رہتی کرآتا تھیں۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے کمرے میں موجود بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ جب اسے باہر سے کسی طوفان کی آواز سنائی دی۔ اور وہ طوفان تائی جان کا کھڑا کیا ہوا تھا۔ وہ بچپن سے اس سب کی عادی تھی، تایا اس کی کوئی بات مان لیتے تو تائی اس وجہ سے تایا سے سارا سارا دن ناراض رہتی۔ ہالانکہ وہ علینہ اور شازل کی طرح فرمائش کبھی نہیں کرتی تھی نہ کبھی اسنے اپنی سالگرہ پر کوئی تحفہ مانگا تھا جیسے علینہ کو ہر سالگرہ پر ایک نیا باربی ڈول ہاؤس چاہیے ہوتا تھا۔ تایا اپنی خوشی سے اسے جو دیتے وہ لے لیتی مگر تائی تب بھی خفا ہو جایا کرتی تھیں۔ آج تک یہ روز کا معمول تھا۔ "غضب خدا کا آپ کو چند ہزار دینے چاہیے تھے آپ نے تو پورا کریڈٹ کارڈ ہی حوالے کر دیا کہ جاؤ عیش کرو" آواز تائی کی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ تو ہونا ہی تھا۔ اس نے موبائل پر ٹائم دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ سارہ نے اس سے چار بجے ہی آنے کا کہا تھا۔ سارہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔ وہ دونوں ساتھ سکول جاتیں پھر کالج بھی وہ اکٹھی تھیں اور ہمسائیگی بھی تھی۔ وہ زاریہ کی زندگی کی واحد دوست تھی سارہ۔ دروازہ کھلا تو اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سارہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ "کیسی ہو سارہ؟ "اا نے سارہ کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ سارہ نے مسکرا کر اسے گلے لگایا۔ چند لمحے وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں پھر سارہ کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"یار تم نے اپنی ای میل چیک کی؟" اچانک پوچھنے پر زاریہ چونکی۔ "نہیں۔ کیوں؟" اس نے کچھ احتیاط پوچھا۔ "تمہیں یاد نہیں پچھلے سال نومبر میں ہم نے یونیورسٹیز میں اپلائی کیا تھا۔ میرا تو چانس نہیں بنا لیکن تمہیں ضرور مل گیا ہوگا داخلہ۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر ایک گہرا سانس لیا۔ "سارہ تم جانتی ہو ای میل کھولنے کی ہمت میں اب نہیں کر سکتی۔ رہی بات یونیورسٹی کی تو میرے سارے خواب اب یہیں ہیں تایا دادا میری فیملی کے ساتھ۔ میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔" سارہ کو اس کی بات سن کر مایوسی ہوئی۔ "ڈونٹ ٹیل می تم اب بھی اسی سٹاکر کی وجہ سے ای میل نہیں کھولتی۔ تم ایسی تو نہ تھی۔ تم زاریہ حیات ہو جو بڑے بڑوں کو مزہ چکھا دے اور تم گھر کی چار دیواری میں ہوتے ہوئے ایک آن لائن سٹاکر سے ڈر رہی ہو؟ زاریہ تم نے مجھے مایوس کیا ہے اور کیوں چھوڑ دیا تم نے اپنا خواب؟ تمہیں تو لیٹریچر سے عشق تھا نا؟ مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم ضرور ایک اچھی رائٹر بنو گی۔ ای میل کھولو ابھی میرے سامنے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" سارہ ایک ہی سانس میں بولے گئی اور وہ اسے ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ "اب کیا دیکھ رہی ہو ای میل کھولو" زاریہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ "تم تو بلکل میری اماں بن گئی ہو۔" سارہ نے بھی ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔ "ہاں نا پیار کی بات تو تمہیں سمجھ نہیں آتی" اس نے نرمی سے سارہ کو دیکھا پھر فون پر ای میل کھولا۔ سائن ان کرتے ہی بے تحاشا انبوکس نظر آئے۔ اس نے سکرول کیا تو اس کی نظر اس ای میل پر پڑی۔ چند پل اس کی انگلیاں تھمی پھر اس نے تیزی سے اوپر سکرول کر دیا۔ اب سامنے ہی اسے آسٹریلیا کا نام نظر آیا۔ اس نے ای میل کھولا تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ سارہ نے اس کے تاثر کو دیکھا پھر فون کی سکرین کو دیکھا اور خوشی سے چلائی۔ "زاریہ تم سوئن برگ یونیورسٹی کی فہرست میں اول ہو؟ تم سوئن برگ جاؤ گی فائنلی میں جانتی تھی میری دوست کسی سے کم نہیں ہے۔ زاریہ تم اب یہ موقع نہیں گنواؤ گی سنا تم نے؟" اس کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آ رہا

تھا۔ وہ پورا اکسیپٹینس لیٹر پڑھ رہی تھی۔ "سارہ میں واقعی سلیکٹ ہو گئی ہوں؟" سارہ نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کیا۔ "زاریہ ہاں تم بہت لکی ہو۔ اور میری بات سنو اب غور سے تم آج ہی گھر میں بات کرو تایا اور دادا سے۔ مجھے یقین ہے وہ تمہیں اجازت دے دیں گے۔" وہ اب کنفوزڈ ہو رہی تھی۔ سارہ نے اسکی کنفوزن نوٹ کی تو کہا۔ "تم اپنے بابا کی وجہ سے پریشان نہ ہو انہوں نے پہلے کونسا تمہیں کبھی اپنی بیٹی مانا ہے تمہیں تو تایا اور دادا نے پالا ہے اور وہ تمہارے بابا سے بڑے ہیں وہ تمہارے بابا کو سمجھا دیں گے"۔

کچھ دیر بعد سارہ نے اپنا فون نکال کر دیکھا تو چھ بج چکے تھے۔ پریشانی کے عالم میں وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "اوہ نو اتنی دیر ہو گئی" اس نے سارہ کو پریشان دیکھا تو اسے تسلی دی۔ "تو کیا ہوا یار تم کسی انجان کے گھر پر تو نہیں ہو۔" "نہیں وہ بات نہیں ہے اصل میں آج لڑکی والوں نے آنا ہے۔" زاریہ نے نا سمجھی میں اسے دیکھا۔ "لڑکی والے؟" "ہاں ہم بھائی کا رشتہ کر رہے ہیں کب تک کنوارے رہیں گے۔ میں نے تو تمہیں آفر کی تھی اپنی بھابھی بننے کے لیے تم نے تو بھائی سے کیا کسی سے بھی شادی سے انکار کر دیا" اس کے مسخرانہ انداز پر اسے ہنسی آ گئی۔ "سارہ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔" سارہ کو جیسے معلوم تھا کہ وہ کچھ ایسا ہی جواب دے گی۔ "کسی سے شادی کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ کمزور ہیں زاریہ بلکہ یہ تو خوبصورت زندگی کی شروعات ہوتی ہے۔ تم ابھی زندگی کے اس موڑ پر نہیں آئی جب تمہیں یہ سب باتیں سمجھ آئیں۔ ایک وقت آئے گا جب تم خود کسی کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہو گی۔ محبت بہت پیارا احساس ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کسی بہت پیارے دل سے محبت ہو جائے۔ تب تم میری یہ باتیں یاد کرو گی۔" کافی دیر

گزر چکی تھی۔ سارہ تو کہہ کر جا چکی تھی مگر وہ ابھی بھی اپنی جگہ پر بیٹھی کسی طلسم کے زیر اثر تھی۔ ایک گھنٹے کے ریسٹ کے بعد وہ اب فریش ہو چکی تھی۔ اس نے سامنے بچوں کی ہوم ورک کی کاپیاں رکھیں ہوئیں تھیں۔ جب اس کے موبائل کی سکرین چمکی۔ اس نے فون اٹھا کر دیکھا تو سارہ کا میسج آیا تھا۔ "آج ہی بات کرو گھر میں تم موقع نہیں گنواؤ گی" اس نے مسکرا کر ریپلائی کیا "اوکے" اور کاپیاں چیک کرنے لگی۔

سورج ڈوبنے کو تھا اور رات کا پہلا جلوہ آسمان پر عیاں تھا۔ شام کی مدھم روشنی میں وہ سفید ٹی شرٹ کے اوپر کالی جیکٹ پہنے کالا ٹراوزر اور سر پر کالی ہی پی کیپ پہنے سر جھکائے آہستگی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا اور ساتھ ہی جیکٹ جو اس نے اتار کر اب دائیں بازو پہ ڈالی ہوئی تھی۔ گیٹ پر پہنچ کر کچھ لمحات رکا پھر اندر چلا گیا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو حمزہ اسے دیکھ کر کچن سے اس کی طرف آیا۔ "یار واٹ اے سرپرائز؟" اس نے چہکتے ہوئے کہا اور پھر اسے گلے لگا لیا۔ حمزہ اس کے ماموں کا بیٹا تھا۔ وہ سمسٹر کی چھٹیوں میں واپس آتا تو پہلے لاہور جاتا تھا کچھ عرصہ وہاں رہتا۔ اپنی امی سے ملتا لیکن گھر زیادہ دیر نہ رہتا بلکہ اسی پارک جایا کرتا جہاں وہ ہمیشہ جاتا تھا۔ اس کے بابا نے اس سے قطع تعلّقی کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے لیے آرکیٹیکچر کا چناؤ کیا تھا جبکہ اس کے والد مصطفیٰ صاحب چاہتے تھے کہ وہ فیملی بزنس سنبھال۔ فائزہ نے اس کو اپنی جان سے بڑھ کر پالا تھا۔ وہ ان کا سگا بیٹا نہ تھا مگر ان کو وہ سگوں سے بڑھ کر تھا۔ فرہاد کو بھی ان سے بہت محبت تھی اور وہ انہی کی خاطر لاہور آتا تھا۔ وہ زیادہ وقت لاہور نہ گزارتا تھا بلکہ اسلام آباد حمزہ کے پاس آ جاتا۔ حمزہ اس کے سگے ماموں کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کا انتقال فرہاد کی پیدائش کے وقت ہوا تھا۔ اس کے بعد فرہاد کو دائیوں لے حوالے کیا

گیا۔اس کا سکول داخلہ بھی ہو گیا مگر وہ کوئی دوست نہ بناتا۔ مصطفیٰ صاحب کو جب گھر میں میٹنگ رکھنی ہوتی تو وہ اس کو کسی رشتے دار کے گھر بھیج دیتے۔ کبھی تایا کبھی نانا کے ہاں۔ اس کے ایک تایا اور ایک ہی پھپھو تھیں۔ پھپھو کے تین بیٹے تھے۔ تایا کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ اس کے بابا سب سے چھوٹے تھے۔ وہ پندرہ سال تک ماں جیسے رشتے سے محروم رہا۔ جس کی وجہ سے وہ نہ بولتا نہ اس کے کوئی شوق تھے۔اس کی پھپھو اسماء بیگم کو فرہاد کی ماں پسند نہیں تھی پر ان کے بھائی نے پھر بھی ادھر ہی شادی کرنے کی ضد کی تھی۔ گھر کے تمام افراد راضی ہو گئے تھے مگر اسماء بیگم کی نفرت نہیں گئی تھی اور اب ان کے بیٹے کو دیکھتیں تو اس کی ماں کا چہرہ سامنے آ جاتا۔ فرہاد کی شکل اپنی ماں سے بہت ملتی تھی۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں بلکل اسکی ماں کی طرح تھیں، مگر اسے کبھی یہ نہ بتایا گیا نہ ہی اس نے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ کون بتاتا اسے، اس کا اپنا تھا ہی کون؟۔ پھپھو نے اپنے بیٹوں کو فرہاد کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا ہوا تھا۔ پھر پھپھو نے اس سے جان چھڑوانے کیلئے مصطفیٰ صاحب کو شادی کا مشورہ دیا اور ایک سیدھے سادھے گھرانے کی ایک بیوہ عورت دیکھ کر اس سے شادی ہو گئی اور اس دن سے فرہاد کو اسکی جنت مل گئی۔ فائزہ بیگم کا بیٹا اور شوہر ایک ٹرین حادثے میں وفات پا چکے تھے اور اب انہیں فرہاد کی شکل میں انکا بیٹا واپس مل چکا تھا۔ حمزہ کی اسلام آباد میں جاب تھی اور یہ گھر اسے پروموشن پر ملا تھا۔ اندر داخل ہوا جائے تو سامنے ایک ٹی وی لاؤنج اور ساتھ ہی کچن تھا۔ ٹی وی لاؤنج اتنا بڑا نہ تھا مگر اس کی سیٹنگ کچھ اسطرح کی تھی کہ وہ کشادہ لگتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ امیریکن طرز کا اوپن کچن تھا۔ کچن کے دونوں اطراف میں کمرے اور اٹیچڈ باتھ تھے۔ "کھانا کھاؤ گے؟" حمزہ نے کچن میں کھانا ڈالتے ہوئے پوچھا۔ کچن کا چولہا گھر کی دیوار کے ساتھ بنی شیلف پر تھا اگر چولہے کے سامنے کھڑا ہوا جائے تو لاؤنج کی طرف پیٹھ ہوتی تھی۔ حمزہ کی بھی اس وقت اس کی طرف پیٹھ تھی جب اس نے پوچھا۔ جواب ندارد۔ حمزہ

نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جوتوں سمیت ہی صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ سوٹ کیس بھی ساتھ ہی رکھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا پھر سر جھٹکا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ حمزہ اس سے ڈھائی سال بڑا تھا اور اس کا سب سے پہلا دوست تھا۔ بچپن میں جب بڑی کلاس کے بچے اس کو مارتے تو وہ سب سے پہلے حمزہ کے پاس آتا۔ گویا حمزہ اسے اپنا سائبان نظر آتا۔ حمزہ کو بھی اس سے اتنا ہی لگاؤ تھا۔ وہ اسے کرکٹ سکھاتا۔ اپنے کمپیوٹر پر گیمز کھلاتا اور نا جانے کیا کیا۔ اس کے تایازاد کزن اور پھوپھی کی اولاد کو دیکھ کر احساسِ کمتری ہوتی تھی یا شاید وہ اسے یہ احساس خود دلاتے تھے کہ وہ ان جیسا نہیں ہے۔ بھری دنیا میں اسے کوئی اپنا لگتا تھا تو وہ فائزہ، اس کی ماں اور حمزہ تھے۔ حمزہ کچھ دیر اسے محبت سے دیکھتا رہا پھر صوفے کے قریب آ کر بولا "فرہاد پوری رات اسی صوفے پر گزارنی ہے کیا؟ اٹھو کھانا کھالو۔" حمزہ نے اس سے کہا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں اب لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ "تمہارا اگلا سمسٹر کب شروع ہو رہا ہے" وہ چائے کا مگ رکھ کر کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "12 تاریخ کو" اسے مختصر جواب دینے کی عادت تھی خاص طور پر جب وہ کسی کام کے بارے میں سوچ رہا ہوتا تو۔ وہ اب لیپ ٹاپ اٹھائے باہر آ چکا تھا اور صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔ "تمہارا مطلب ہے اسی 12 کو؟ تین دن بعد؟" حمزہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ اس نے سر ہلایا ساتھ ہی چائے کا مگ اٹھا لیا "تم صرف تین دن کے لیے میرے پاس ہو؟" حمزہ نے روہانسا ہو کر پوچھا۔ "بھائی اس بار صرف ایک ہی ہفتے کی چھٹیاں ہوئیں ہیں" اور چائے پینے لگا پھر لیپ ٹاپ آن کر کے کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ "چلو خیر تم آئے تو صحیح اور تم نے فلائٹس کا پتہ کیا ہے؟ یہ نہ ہو تمہارا سمسٹر رہ جائے" حمزہ کو ہمیشہ سے ہی اس سے زیادہ اس کی ٹینشن ہوتی تھی کچھ اسی کا نتیجہ تھا

کہ وہ لاپرواہ رہتا تھاجب بھی وہ حمزہ کے پاس ہوتا تو۔ہاں مگر اکیلے وہ محتاط رہا کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہاں حمزہ نہیں آئے گا اس کے لیے۔ اس نے نہ میں سر ہلایا ساتھ ہی کام میں مشغول رہا۔ "تو لڑکے تم کیا عین یونیورسٹی کھلنے کے دن جاؤ گے؟" اس نے ہلکا سا مسکرا کر اپنی شہد رنگ آنکھوں سے حمزہ کو دیکھا۔اسکی مسکراہٹ بہت دلکش تھی۔ وہ جب مسکراتا تھا تو اس کی شہد رنگ آنکھیں قدرے چھوٹی ہو جاتی تھیں۔اس کی مسکراہٹ لوگوں کو اسکا دلدادہ بنا دیتیں تھیں۔ "حمزہ بھائی میں نے بوکنگ کرا لی ہے کل شام کو نکلنا ہے" اس نے بہت اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا تو حمزہ کو اس پر پیار آگیا۔ "تم جانتے ہو تمہارا دل بہت پیارہ ہے۔" حمزہ نے کہا تو فرہاد نے اچانک اسے دیکھا۔"آپ کو آج پتہ چلا ہے؟" اس کے انداز پر حمزہ کو ہنسی آگئی۔ "ویسے جتنے تمہارے نخرے ہیں نہ کبھی سوچا ہے شادی کے بعد کیا بنے گا تمہارا ہادی، تمہاری بیوی نے تو تنگ آجانا ہے" حمزہ اسے پیار سے ہادی کہتا تھا یہ نام اسے حمزہ نے ہی دیا تھا۔ وہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتا جارہا تھا اور مسکراتا رہا۔ "میں شادی اسی لڑکی سے کروں گا جو میرے سارے نخرے اٹھانے کے لیے تیار ہو ورنہ نہیں" حمزہ کو اس سے اسی جواب کی امید تھی۔ "پھر تو لگتا ہے تم نے کنوارہ مرنا ہے" اس کی کی بورڈ پر چلتی انگلیاں تھمیں پھر اس نے حمزہ کی جانب دیکھا۔ "پر مجھے لگتا ہے ایسی لڑکی ضرور ملے گی مجھے" اور پھر دوبارہ ٹائپنگ کرنے لگا۔ حمزہ اس کی پر اعتمادی پر مسکرادیا اور دل میں آمین کہا۔

شام کا دھندلکا حیات ہاؤس پر چھا رہا تھا۔ وہ چائے بنائے ٹرے میں سجائے لان میں لا رہی تھی۔آج اس نے ملازمین کو بھیج دیا تھا کہ باقی کام وہ خود کرے گی۔ لان میں دادا اور تایا بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔اس

نے انہیں چائے پیش کی پھر اپنا کپ اٹھا کر ساتھ تیسری کرسی پر آ بیٹھی۔ گھر میں عموماً یہی لوگ ہوتے تھے اور ایک تائی۔ شازل زیادہ تر باہر رہتا تھا۔ اور علینہ کا سوشل سرکل بھی بہت بڑا تھا۔ وہ آئے دن کبھی کسی دوست کی برتھ ڈے پارٹی تو کبھی کسی کی انگیجمنٹ ایونٹ میں پائی جاتی تھی۔ یونیورسٹی پڑھنے کے نام پر کلاسس بنک کر کے سارا سارا دن دوستوں کے ساتھ باہر گھومتی۔ شازل کی کمپنی بھی ٹھیک نہ تھی۔ اس کا وقت امیر بگڑے لڑکوں کے ساتھ گزرتا تھا اور وہ آئے دن نئی لڑکی سے فون پر ساری ساری رات باتیں کرتا تھا۔ یہ سب زاریہ کو معلوم تھا، تقریباً تمام افراد کو معلوم تھا۔ تایا اپنی اولاد کی طرف سے بہت فکرمند تھے وہ جب بھی ان کو ٹوکتے تو وہ کچھ الٹا سیدھا کرنے دھمکی دے دیتے۔ شازل کئی کئی دن گھر نہ آتا اور علینہ کھانا پینا چھوڑ کر کمرے میں بند ہو جاتی۔ یہ سب تایا کا اپنے بے حد لاڈ پیار کا نتیجہ تھا اور اب تائی نے ان کو چھوٹ دی ہوئی تھی۔ اگر تایا کچھ کہہ دیتے تو تائی زاریہ کو کوسنے لگ جاتیں کہ وہ آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ پیاری ہے آپ نے اسے کبھی کچھ نہیں کہا آپ کو بس اپنی اولاد میں خرابی نظر آتی ہے۔ یہ سب اس گھر میں کئی بار ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے اب شازل اور علینہ کو کوئی کچھ نہ کہتا تھا لیکن تایا ہر وقت ان کی طرف سے پریشان رہتے تھے۔

آج بھی وہ دونوں گھر پر نہ تھے اور تائی شاید اپنے کمرے میں تھیں۔ اس کے پاس آرام سے نے بات کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ تھا۔ اس نے بات شروع کی۔ " دادا جان، تایا جان، آپ لوگوں کو یاد ہے میں نے نومبر میں سکالرشپ کے لیے اپلائی کیا تھا۔ وہاں سے اکسیپٹینس لیٹر آیا ہے۔ سوئن برگ یونیورسٹی کا" اس کی یہ بات سنتے ہی دادا اور تایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دادا نے اکسائیٹمینٹ کے عالم میں اسے دیکھا۔ "ارے میری بیٹی تو بہت قابل ہے میں جانتا تھا تمہیں کامیابی ضرور ملے گی"

اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا پھر تایا کو دیکھا۔ "اور آپ کیا کہتے ہیں تایا جان؟" اس نے تایا سے پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر سر کو جنبش دی۔ "میں تو ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں بیٹا۔ دیر کس بات کی ہے۔ جاؤ تمہارا روشن مستقبل تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" اس نے کچھ پریشانی سے انہیں دیکھا اور پھر بولی "لیکن بابا-" اس سے پہلے وہ آگے کچھ بولتی تایا نے اس کی بات کاٹی "بیٹا تمہارے بابا کو ہم سمجھا دیں گے تم فکر نہ کرو" اس نے دادا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو انہوں نے بھی تایا کی بات پر ہامی بھری۔ "سہی کہہ رہا ہے عالم میں تمہارے بابا کا بھی باپ ہوں اور اس گھر کا بڑا، اور عالم اسکا بڑا بھائی ہے۔ اس ل ئے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے" دادا کے انداز سے اس کو گویا تسلی ہوئی پھر اسے کچھ یاد آیا تو تایا کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تایا جان میں کل سکول جا کر ریزائن دے آؤں گی لیکن وہ بچہ جس کے بارے میں آپ کو بتایا تھا-" اور تایا جان نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی تھی "ہاں بیٹی اس کا سارا خرچ میرے ذمے سمجھو" اس نے تایا کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھا اسی پل اسے احساس ہوا وہاں کوئی اور بھی موجود تھا اس نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو وہاں شازل کھڑا ان کی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا۔

اس کو نہیں معلوم تھا وہ وہاں کتنی دیر سے موجود تھا اس نے فوراً برتن اٹھائے اور کچن کی طرف بڑھ گئی لیکن وہ اس کے تعاقب میں آنے لگا۔ وہ برتن کچن میں رکھ کر مڑنے لگی تو وہ سامنے کھڑا اس کو گھور رہا تھا۔ وہ ایک جانب سے نکلنے لگی تو اس نے راستہ روک لیا۔ "کیا مسئلہ ہے راستہ چھوڑیں میرا" اس نے زچ ہو کر کہا تو وہ ایک قدم اور آگے آبڑھ آیا۔ اسے اس سے شراب کی بو آئی تھی۔ وہ آج پھر نشہ کر کے آیا تھا۔ "تم کیسے جا سکتی ہو۔ میں نے تمہیں اجازت نہیں دی ہے" اس نے دانت پیس کر کہا تو زاریہ

نے بازو سینے پر باندھ کر چہرے کو اس کے برابر اونچا کیا اور بولی "جن کی اجازت مجھے چاہیے تھی وہ مجھے مل گئی ہے اور آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ میرا فیصلہ کریں۔" وہ یہ کہہ کر ایک طرف سے نکل رہی تھی کہ شازل نے اس کا بازو دبوچ کر پکڑ لیا۔ اسے تکلیف کا احساس ہوا تو اس نے ضبط سے اسے دیکھ کر کہا "ہاتھ چھوڑیں میرا شازل بھائی" لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ "تمہیں کتنی بار بولا ہے کہ مجھے بھائی مت کہا کرو میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔ میں محبت کرتا ہوں تم سے اور تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر وہ سرد مگر طنزیہ انداز میں مسکرائی پھر اسے دیکھا۔ "محبت؟ اپنانا؟ ان الفاظ کے معنی بھی جانتے ہیں آپ؟ اور میں نے ہمیشہ آپ کو اپنا بڑا بھائی مانا ہے، ایسی باتیں کر کے اپنے آپ کو میری نظروں میں نہ گرائیں" شازل کی گرفت اس کے ہاتھ پر ڈھیلی پڑی تو وہ ہاتھ چھڑا کر وہاں سے اگلے ہی پل چلی گئی۔ وہ اس کو ایسے کئی بار پریشان کر چکا تھا اور وہ عام لڑکیوں کی طرح سہمتی نہیں تھی بلکہ منہ پر جواب دیتی تھی۔ آسٹریلیا جانے کی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ شازل سے دوری بھی تھی۔

وہ اب اپنے کمرے میں بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ اسے صبح بہت سے کام نمٹانے تھے۔

وہ بارہ سال کا بچہ بینچ پر بیٹھا ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے اس پر چہرہ گرائے ہوئے تھا جب وہ پیاری سی بچی ایمرالڈ آئیز اس پر ٹکائے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ بچے کو اپنے اوپر نظریں محسوس ہوئیں تو اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ ایمرالڈ آئیز اب بھی اس پر ہی ٹکی تھیں۔ بچہ اسکی ایمرالڈ آئیز سے میسمیرائز ہوا تھا۔ ایمرالڈ آئیز اب مسکرا رہیں تھی۔ بچے کو یہ منظر بہت دلکش لگ رہا تھا۔ الارم کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے ارد گرد دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ حمزہ اپنی جاب پر جا چکا تھا۔ اس نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا تو دس بج رہے تھے، وہ اٹھ بیٹھا۔ بار بار ذہن سے ایمرالڈ آئیز کو جھٹکتا مگر وہ پھر اس کے سامنے آ

جاتیں۔اس کو یہ خواب اکثر آیا کرتا تھا۔ خواب میں وہ جانتا تھا کہ وہ بینچ پر بیٹھا بچہ تو وہ خود ہے مگر وہ ایمرالڈ آئیز؟اس نے خیالات کو ذہن سے جھٹکااور باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

وہ اپنا پرس سنبھالے عجلت میں سکول کا گیٹ کراس کر رہی تھی۔ آج اس کا سکول میں آخری دن تھا۔ وہ سیدھا آفس کی جانب گئی۔ آفس کا بڑا شیشے کا دروازہ دھکیل کر اب وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے پرنسپل صاحبہ نے اس سے کھڑے ہو کر ہاتھ ملایا۔ وہ آنے سے پہلے انہیں اپنے استعفٰے کا بتا چکی تھی۔ سکول کے بارے میں چند باتیں کرنے کے بعد اس نے پیپر سائن کر کے انہیں دیے پھر ان سے کلاسز کے وزٹ کے لیے ریکویسٹ کی تو انھوں نے قبول کر لی۔ وہ اب اپنی کلاس میں موجود تھی اور سب بچوں سے باری باری ان کا حال پوچھ رہی تھی۔ اس کی نظریں اب گجرے والے بچے کو ڈھونڈھ رہیں تھیں۔ تبھی اسے وہ بچہ آخری رو میں بیٹھا نظر آیا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا تو وہ چلا آیا۔ "کیسے ہو؟" اس نے بچے کو اس نئے حلیے میں دیکھا تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ وہ باقی بچوں کی طرح یونیفارم میں موجود تھا۔ بچے نے سر کے اشارے سے جواب دیا تو اس نے پوچھا "تمھیں یہ کلاس کیسی لگی ہے؟ تم نے دوست نہیں بنائے پیچھے کیوں بیٹھے تھے اکیلے؟" اس نے پیار سے پوچھا تو لڑکے کو رونا آ گیا اسے حیرت ہوئی۔ "باجی یہ لوگ امیں اپنے سات نہیں بٹاتا کیتا اے کہ ام غریب اے" اس نے مایوسی میں باقی بچوں کی طرف دیکھ کر کہا "یہ سب کیا ہو رہا؟ میں نے تم لوگوں کو نہیں سکھایا تھا کہ ہمیں غریبوں کی مدد کرنی چاہیے وہ بھی انسان ہیں اگر اللہ تعالیٰ آپ کو غریب پیدا کرتا اور کوئی آپ کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تو آپ کو اچھا لگتا؟" سب بچوں کی نظریں شرمندگی سے جھکی ہوئیں تھیں۔ اس نے ان کو ایک نظر دیکھا پھر آگے بیٹھے لڑکے کو بلا کر کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بٹھائے۔ اس لڑکے

نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ "یہ امیری غریبی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہے لیکن اللہ کی نظر میں ہم سب برابر ہیں اور اللہ کو وہ انسان بہت پسند آتا ہے جو دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ آج کے بعد آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کسی کو دکھ نہیں پہنچائیں گے اور سب کا خیال رکھیں گے۔" پھر زاریہ نے بچوں سے الوداع کہا تو بچے اداس ہوئے۔ اس نے ان سے دوبارہ ملنے کا عہد کیا اور وہاں سے باہر آگئی۔

وہ اب سڑک کے کنارے کھڑی سارہ کا انتظار کر رہی تھی۔ انھوں نے شاپنگ پر جانا تھا۔ زاریہ کی فلائٹ میں باقی ایک دن تھا اور اس کو کچھ سامان ساتھ لے جانے کے لیے چاہیے تھا۔ اسی وجہ سے اس نے سارہ کے ساتھ شاپنگ کا پلان بنایا تھا۔ سارہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی پر آئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ مال کی طرف روانہ ہو گئے۔ مال جا کر اس نے کچھ ضرورت کا سامان لیا اور کپڑوں والی شاپس کی طرف آگئی۔ "تم نے بات کی ہے۔" کپڑے دیکھتے ہوئے سارہ نے اس سے پوچھا۔ تو اس نے ایک سوٹ ہاتھ میں لیے اسے خود سے لگائے سامنے کے شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے جواب دیا "ہاں کر لی ہے بات۔ بس آج رات بابا کی اجازت چاہیے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ انکار کر دیں گے۔" اس نے مایوسی کے عالم میں کہا تو سارہ نے اس کی طرف دیکھا پھر اسے تسلی دی۔ "ایسا کچھ نہیں ہو گا وہ تمہیں ضرور اجازت دیں گے اور تم کیوں ٹینشن لیتی ہو بات تو تایا اور دادا نے کرنی ہے نا۔ وہ اپنے طریقے سے کر لیں گے۔" وہ سارہ کو بہت دیر تک دیکھے گئی تو سارہ نے پوچھا۔ "کیا۔ ک کچھ لگا ہوا ہے میرے چہرے پر؟" پوچھ کر بے اختیار اپنی گالوں کو چھونے لگی۔ تو زاریہ کو ہنسی آگئی۔ "نہیں کچھ نہیں لگا۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آسٹریلیا میں تم میرے ساتھ نہیں ہو گی پھر میری ایسے فکر کون کرے

گا؟" اس نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا تو سارہ نے فوراً کہا "میں تمہارا ہونے والا شوہر تھوڑی ہوں جو ہر جگہ تمہارے ساتھ رہوں اور تمہاری فکر کروں گی" اس کو سارہ کی بات پر ہنسی آ گئی۔ "ویسے اگر تمہارا جینڈر چینج ہوتا تو شاید میں تم سے شادی کر بھی لیتی۔" سارہ نے اسے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھا۔ "میں کوئی اتنا اچھا شوہر ثابت نہ ہوتی کیونکہ جھاڑو پوچا اور برتن میں تم سے ہی دھلواتی" اور اسکی بات پر وہ کافی دیر ہنسی تھی۔ تقریباً شام کے چھ بج رہے تھے جب انہوں نے شاپنگ ختم کی تھی۔ اور اب وہ گھر جا رہیں تھیں۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اب اپنے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کا کمرہ لان کے قریب ہی تھا اور اس کی کھڑکی سے لان کا منظر واضح دکھائی دیتا تھا۔ اس کی نظر کھڑکی پر پڑی وہاں دادا بیٹھے اجبار پڑھ رہے تھے۔ تایا ابھی وہاں موجود نہ تھے۔ اتنی دیر میں ہارن کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا۔ اس کے بابا آ چکے تھے۔ وہ گاڑی گیراج میں پارک کر کے عجلت میں اندر داخل ہو ہی رہے تھے کہ دادا جان نے انہیں روک لیا۔ وہ اندر بیٹھی کتاب ہاتھ میں لیے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حیات صاحب نے رک کر دادا کو دیکھا تو انہوں نے ان سے کچھ کہا۔ اس کی کھڑکی پر شیشے لگا تھا اور اس وقت بند تھی جسکی وجہ سے اندر اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بابا اب بیٹھ چکے تھے اور دادا کی بات سن رہے تھے۔ انہوں نے دادا کی کسی بات پر اشارہ کیا تو اسے لگا کہ وہ انکار کر رہے ہیں۔ مگر دادا نے اپنی بات جاری رکھی۔ اس کے بابا اب فون نکال کر استعمال کرنے لگے۔ پھر دادا کی بات سن کر کوئی مختصر جواب دیا اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔ وہ اندر بیٹھی اضطراب کے عالم میں کتاب پر انگلی سے گول دائرے بنا رہی تھی۔ اس کے بابا کا کمرہ اوپر کے فلور پر تھا۔ وہ زیادہ تر آفس ہی ہوتے تھے مگر جب کبھی گھر آتے

تو سیدھا اپنے کمرے میں چلے جاتے اور کسی کو ان کے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ یہاں تک کہ زاریہ تایا اور گھر کے افراد کو بھی نہیں۔ اس کے بابا گویا ان سب سے الگ رہتے تھے۔ وہ کچھ دیر گزر جانے کے بعد باہر آئی اور لان کے دہانے پر کھڑی ہو گئی۔ دادا نے اخبار سے سر اٹھایا تو وہ سامنے کچھ فاصلے پر کھڑی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دادا نے کچھ شرارتی انداز میں اسے آنکھ ماری تو وہ سمجھ گئی۔ پھر وہ دادا کی طرف بھاگ کر گئی اور بازو ان کی گردن کے گرد ڈال کر ان کو گلے لگا لیا۔ دادا نے مسکرا اس کے سر کو تھپکا۔ وہ پیچھے ہوئی پھر دادا کو دیکھ کے حیرت سے بولی "مگر کیسے؟" دادا نے اس کی حیرت پر قہقہہ لگایا۔ "کہا تھا نا میں منا لوں گا"۔ "مگر بابا تو غصے میں لگ رہے تھے" اس نے اسی حیرت سے پوچھا تو دادا نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ "وہ کب نہیں ہوتا غصے میں۔ اس کی شکل ہی ایسی ہے" وہ دادا کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ "کب ہے تمھاری فلائٹ پھر؟" دادا نے کچھ دیر بعد اس سے پوچھا۔ "کل شام پانچ بجے دادا" دادا نے اسے دیکھا پھر بولے "پھر تو تمہیں جلدی سونا چاہیے کل تمہیں بہت تھکن ہونے والی ہے" اس نے مسکرا کر دادا کو دیکھا پھر تابعداری سے کہا۔ "جی دادا میں جا رہی ہوں سونے بس۔" "شب بخیر بیٹی" دادا نے کہا تو اس نے بھی دادا کو شب بخیر کہا اور اندر چلی آئی۔ کل واقعی اس کے لیے بڑا دن تھا۔

ملازمین گاڑی میں سامان رکھ رہے تھے اور وہ اندر شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بال بنا رہی تھی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا پیروں تک آتا فراک پہنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ کا ہم رنگ دوپٹہ گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ بالوں کو بیچ کی مانگ نکالے کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ اس کے بال ویوی تھے اور وہ کمر تک آتے تھے ایسے کہ اگر

انہیں سیدھا کیا جاتا تو وہ کمر سے بھی نیچے جاتے۔ ہلکا سا بلش اور گلابی لپس سٹک لگائے وہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بالوں کو سیٹ کرنے کے بعد اس نے اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر جھلایا اور باہر آ گئی۔ اس کو دادا اور تایا نے ائیر پورٹ چھوڑنے جانا تھا۔ تائی اپنے کمرے میں خفا بیٹھیں تھیں۔ شازل اور علینہ گھر پر نہ تھے۔ اس کے بابا بھی موجود نہیں تھے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور آگے بڑھ آئی۔ ابھی وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ملازم نے چھوٹا دروازہ کھولا۔ سامنے سارہ نظر آئی۔ سارہ اس کی طرف لپکی اور اسے گلے سے لگایا۔ "یار تم تو واقعی جا رہی ہو" سارہ نے اداسی سے کہا۔ " تمہیں کیا لگا میں مزاق کر رہی ہوں" اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ سارہ نے اس کے سوٹ کیس کو دیکھا پھر بولی۔ " تمہارے سوٹ کیس میں جگہ ہے؟" اس نے سارہ کو حیران ہو کر دیکھا "ہاں تھوڑی بہت ہو گی تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ " تو سارہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی " مجھے اسی سوٹ کیس میں ہی فٹ کر کے اپنے ساتھ لے جاؤ" اس کی بات پر زاریہ زور سے ہنسی پھر اسے گلے لگایا "ہم ملیں گے بہت جلد۔" "ا۔ ایک منٹ یہ تم مجھے گلے کیوں لگا رہی ہو؟ " اس کی بات پر زاریہ نے اسے بے اختیار نا سمجھی سے دیکھا تو وہ بولی " بھئی میں تو ساتھ جا رہی ہوں نا تمہیں ائیر پورٹ پر ڈروپ کرنے، تو ہم تو وہاں ملیں گے۔ "اور وہ اس کی بات پر مسکرا دی پھر دادا کی آواز پر چونکی "اب چلو بھی بیٹا ٹائم پہلے ہی نکلے جا رہا ہے" اور وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گئی چند لمحے بعد گاڑی روڈ پر رواں دواں تھی۔

ائیر پورٹ پر گہما گہمی تھی۔ بہت سے لوگ نکل رہے تھے اور بہت سے اندر جا رہے تھے۔ اسے وہاں بیٹھے کافی وقت بیت چکا تھا۔ اناؤنسمنٹ کی جا رہیں تھیں۔ اس نے موبائل پر ٹائم دیکھا تو وہاں پانچ بج

چکے تھے۔وہ پہلی دفعہ اکیلے سفر کر رہی تھی۔اس نے دادا کی بتائی ہوئی دعائیں کئی بار پڑھیں تھیں۔وہ اضطراب کے عالم میں تھی۔اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے اوٹ سے دیکھ رہا ہے۔ایسے وسوسے اسے کئی سال پہلے آتے تھے۔جب اسکی امی کا حادثہ ہوا تھا۔میلبورن کی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ اب ائیر پورٹ میں گونج رہی تھی۔دادا سارہ اور تایا اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔اور اب اس کی بورڈنگ کا وقت ہو گیا تھا۔اس نے اپنا واحد سوٹ کیس اٹھایا اور اندر چلی گئی۔چند لمحات کے بعد وہ اپنی سیٹ پر موجود تھی اور اب جہاز رننگ ایریا میں دوڑ رہا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ فضا میں بلند ہو گیا۔اس نے موبائل چیک کیا تو وہاں آج پھر وہی میل آئی ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔اس نے لرزتے ہاتھوں سے ان باکس کھولا تو وہاں ایک اور جسم کا کٹا ہوا ٹکڑا خون میں لت پت پڑا تھا۔وہ شاید ہاتھ تھا۔اس پر خوف طاری ہو رہا تھا۔اسکی طبیعت اچانک سے خراب ہونے لگی تھی۔اسے متلی ہونے لگی تھی۔خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔اس نے وہ ای میل ڈیلیٹ کی انہیں کپکپاتے ہاتھوں سے۔وہ اب اپنا جی میل ایپ ڈیلیٹ کر چکی تھی۔اس نے خوف جو خود پر طاری ہونے سے روکا ہوا تھا۔وہ ہمیشہ سے یہ کرتی آ رہی تھی۔ہر مصیبت،ہر خوف کو اپنے اندر سمائے جاتی تھی۔یہاں تک کہ وہ آتش فشاں بن کے پھٹنے لگتا تھا۔وہ دس سال کی عمر سے یہ کر رہی تھی۔وہ جو کوئی بھی تھا وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔زاریہ کو کئی خیالات نے ایک بار پھر جکڑ لیا۔اسے ڈر تھا کہ اگر اسے آگے کوئی مشکل پیش آئی تو وہ بلکل اکیلی ہو گی۔نا تایا ہوں گے اس کے پاس نا دادا۔وہ گمنام ہو گی وہاں۔

اس نے فون پر فلائٹ موڈ اون کیا پھر سر پیچھے ٹکا دیا۔اسکو اکانومی کلاس کی سیٹ ملی تھی۔اس کے آگے کا ایریا بزنس کلاس تھا۔ وہ جہاز میں پہلی دفعہ سفر کر رہی تھی۔اس کے دل میں بہت سے وسوسے آئے پھر اس نے آیت الکرسی اور مزید چند دعائیں پڑھیں اور آنکھیں موندے سر پیچھے ٹکائے رہی۔ اور نا جانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

اس کی آنکھ اناؤنسمنٹ پر کھلی جس میں منزل کے قریب ہونے کی اطلاع دی جا رہی تھی۔اب بس دس منٹ رہتے تھے اسے میلبورن پہنچنے میں۔ وہ کھڑکی سے باہر دور بادلوں میں دیکھے گئی۔ کچھ دیر بعد بادلوں میں سے زمین واضح ہوئی۔ اسے یہ منظر بہت خوبصورت لگا تھا۔اس نے اس خیال سے کہ یہ منظر وہ دادا کو دکھائے گی اس کی تصویر کھینچ لی۔اسے نیچر بہت اٹریکٹ کرتی تھی۔ تصویر لینے کے بعد وہ ایسے ہی باہر دیکھے گئی کچھ دیر بعد جہاز لینڈ ہونے لگا اور چند لمحوں کے بعد وہ سامان اٹھائے میلبورن کی سرزمین پر اپنا پہلا قدم رکھ رہی تھی۔ یہاں کا موسم سرد تھا۔اس نے باہر قدم رکھا تو اسے اچانک ٹھنڈ محسوس ہوئی۔ وہ اب وہاں ویٹنگ ایریا میں بیٹھی انسٹیٹیوٹ کی طرف سے آنے والی گاڑی کا انتظار کر رہی تھی۔اسی پل اس کا فون بجا تو اس نے فوراً اٹھایا۔ دوسری طرف سے اسے انگریزی میں معزرت کی جا رہی تھی کہ جس گاڑی نے اسے لینے آنا تھا وہ خراب ہو چکی تھی۔اور وہ بت بنی بیٹھی یہ سن رہی تھی۔ پھر کال دوسری طرف سے منقطع ہو گئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ میلبورن میں اس وقت رات کے ایک بج رہے تھے۔خوف ہی خوف تھا۔

وہ اب رو دینے والی تھی کہ اسے ویٹنگ ایریا سے باہر ایک شخص جو ایشیائی نقوش زیادہ تر پاکستانی یا انڈین لگ رہا تھا نظر آیا۔امید کی ایک ننھی سی کرن تھی جو اس اندھیری گپھا میں اسے نظر آئی تھی۔اس

نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس پکڑا ہوا تھا اور دائیں بازو پہ جیکٹ لٹکائی ہوئی تھی۔ وہ بلیک ٹی شرٹ میں تھا جس کے آستین وہ کہنیوں سے موڑے ہوئے تھا۔ اور سر پر بلیک کیپ پہنے ہوئی تھی۔ وہ فون پر کسی سے بات کرتا ٹہل رہا تھا اور چہرہ جھکائے ہوئے تھا۔ اس کی کیپ میں سے کچھ کچھ سیاہ بال باہر سے نظر آرہے تھے۔ وہ دیکھنے میں اسے بہت ہینڈسم لگا تھا۔ اس نے ایک پل ٹھہرے بغیر اپنا سامان اٹھایا اور فوراً اس کی طرف لپکی اور تھوڑا قریب پہنچ کر اسے اندازا ہوا کہ وہ اردو میں بات کر رہا تھا تو اسکو تسلی ہوئی تھی۔ وہ اس کے فون بند ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ الوداعی کلمات کہتا فون بند کر رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی فون بند کیا تو وہ اس کی طرف بڑھ آئی۔ اس نے کسی لڑکی کو اچانک سامنے دیکھا تو گھبرا گیا۔ "ایکسکیوز می آپ پاکستان سے ہیں نہ، میں بھی پاکستان سے ہوں۔ میں سٹوڈنٹ ہوں اور ابھی ابھی مجھے گاڑی نے لینے آنا تھا مگر ان کا فون آیا کہ گاڑی خراب ہو گئی ہے اور آپ خود چلی جائیں۔ عجیب بات ہے بھلا آپ بتائیں میں اکیلی لڑکی رات کے ایک بجے ایک انجان ملک میں کیسے کہیں بھی خود منہ اٹھا کر جا سکتی ہوں۔ آپ مجھے اچھے انسان لگتے ہیں۔ تھوڑے سے شریف بھی لگتے ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ میری مدد ضرور کریں گے۔ میں آپ کی احسان مند رہوں گی اور آپکو بہت سی دعائیں بھی دوں گی۔ اب دیکھیں نا آپ کو بھی تو کسی نے لینے آنا ہے نا، آپ مجھے بھی ڈراپ کر دیجئے گا۔ سمپل۔ میں آپ کو ایڈریس سینڈ کرتی ہوں۔ آآپ سن رہے ہیں نا۔" وہ جیسے ایک ہی سانس میں بچوں کی طرح بولے گئی تھی اور آخر میں احساس ہوا کہ وہ سن بھی رہا ہے کہ نہیں۔ مگر وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور وہ۔ وہ وہاں کھو گیا تھا۔ ان ایمرالڈ آئیز میں کھو گیا تھا۔ وہ ان ایمرالڈ آئیز کو دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے وہ بارہ سالہ بچہ ان ایمرالڈ آئیز میں کھویا تھا۔ آج سولہ سال بعد وہ ایک بار پھر ان ایمرالڈ آئیز سے میسمیرائز ہو رہا تھا۔ یہ اس کا خواب نہیں تھا۔ یہ اس کا خواب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اسکو ان ایمرالڈ آئیز میں خوف نظر آ رہا تھا اور نا جانے کیوں اسے ان کو دیکھ کر تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ وہی آنکھیں تھی جن کو دیکھ کر اسے اپنا آپ یاد نہ رہتا تھا۔ یہ وہی آنکھیں تھیں جس کی تلاش میں وہ اس پاد ک جایا کرتا تھا۔ آج قسمت نے انہیں اس سے ملا دیا تھا۔

اس شہر میں کتنے چہرے تھے

کچھ یاد نہیں سب بھول گئے

اک شخص کتابوں جیسا تھا

وہ شخص زبانی یاد رہا

باب دوم

ایمرالڈ

وہ بولتی رہی اور وہ اسے کتنی ہی دیر دیکھے گیا۔ پھر جیسے اسے جھٹکا لگا اور وہ اپنے ہوش میں آیا۔ "آپ کو سمجھ تو آ رہی ہے نہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ دیکھیں اب یہ مت کہیئے گا کہ آپ کو اردو نہیں آتی کیونکہ میں آپ کو اردو میں بات کرتا سن چکی ہوں۔" اس نے اس لڑکی کو تعجب سے دیکھا اور نا سمجھی میں ایک ابرو اٹھایا۔ "آپ کو کیا چاہیئے مجھ سے؟" وہ بولا اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ ایک گھنٹے سے اسے

اپنی روداد سنا رہی تھی اور اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا؟۔ "آپ نے میری کوئی بات نہیں سنی؟ "اس نے افسوس سے کہا۔ "آئم سوری۔ "اس نے جھکے سر سے کہا۔ وہ کب سے سر جھکائے ہی کھڑا تھا۔

اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے ایک بار پھر نظر اٹھائی تو ان آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے ڈوب جائے گا۔ "میں کہہ رہی ہوں میری گاڑی خراب ہو گئی ہے اس لیے آپ مجھے میری منزل پر پہنچا دیں گے کیا؟ "اس نے بات اس بار مختصر کر دی تھی۔ تو جواب میں فرہاد نے سر ہلا دیا اور پھر بولا۔ "میں اپنی کیب کا ویٹ کر رہا ہوں وہ آئے گی تو آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔ "اس کے بعد ان دونوں میں سے کوئی نہ بولا تھا۔ اب وہ دونوں ویٹنگ ایریا کے باہر ایک ساتھ کھڑے تھے۔ زاریہ نے سردی کی وجہ سے اپنے پیلے رنگ کے فراک کے اوپر کالا لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ دونوں اپنے کالے لباس میں اس پل رات کا کوئی حسین منظر معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہلکی روشنی دور اندھیرے میں دکھائی دی اور پھر کیب منظر عام پر آئی۔ زاریہ نے جیسے شکر کا سانس لیا۔

فرہاد اب آگے بڑھ کر کیب والے سے کچھ بات کرنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد وہ اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ شخص رات کے اس پہر بھی اتنا اچھا لگ رہا تھا دن میں کیسا دکھے گا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ وہ اب اس تک آ پہنچا تھا۔ "آپ کا ایڈریس؟ "

اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے پوچھا تو وہ گھبرا گئی۔ "جی؟۔ اوہ ایڈریس۔ او کے۔ " گھبراہٹ میں اسے سمجھ ہی نہ آیا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے فون پر ایڈریس نکالا جو اس کو انتظامیہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور فرہاد کی طرف بڑھا دیا۔ "آپ کو سوئن برن جانا ہے؟ آپ سوئن برن کی سٹوڈنٹ ہیں؟۔ " سوال

بغیر وقفے کے آئے تھے۔اس نے حیرت کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔زاریہ نے محض سر ہلا دیا۔ پھر فرہاد نے کیب کا دروازہ اس کے لیے کھول کر اسے آنکھوں سے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

اس کے دل میں بہت سے رنگ کھلنے لگے تھے۔ وہ تیزی سے اندر بیٹھ گئ۔ فرہاد اب اسکا اور اپنا سامان ڈگی میں رکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آگے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور گاڑی سڑک پر چلنے لگی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد سامنے سے اسے ایک بڑا گیٹ دکھائی دیا۔ وہاں سٹریٹ لائٹس کی وجہ سے روشنی تھی۔اس گیٹ کے پار وسیع پیمانے پر سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ جس کے بیچ سے سڑک گزرتی تھی۔ گیٹ کے اوپر بڑا سا سوئن برن یونیورسٹی لکھا ہوا تھا۔ گیٹ کھلا تھا تو گاڑی اب گیٹ کو کراس کر کے روڈ پر آگے بڑھ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف میں سبزہ تھا۔ درخت اور پودے خوبصورتی سے لگائے گ ئے تھے۔ سبزے میں کہیں کہیں بینچ بھی موجود تھے۔ گاڑی جیسے ہی اندر کی طرف بڑھتی جا رہی تھی سبزہ ختم ہوتا جا رہا تھا اور عمارت قریب آ رہی تھی۔ اس نے عمارت پر غور کیا تو اس پر ڈیپارٹمنٹ اوف سوشل سائنس لکھا ہوا تھا۔ وہ عمارت بہت ہی کشادہ جگہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک اور عمارت آئی وہ ایک اور ڈیپارٹمنٹ تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ ان کے ایک ڈیپارٹمنٹ جتنی تو پاکستان میں ایک یونیورسٹی ہوتی ہے۔ انہوں نے کیا پورے شہر پر ایک یونیورسٹی بنا دی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی سٹوڈنٹ ڈورم کے سامنے آ کے رکی۔ فرہاد نے اتر کر اس کی ونڈو پر نوک کیا تو اس نے تیزی سے ونڈو نیچے کی۔ "میڈم آپ کی منزل آ چکی ہے۔" وہ اس وقت اس کے بہت

قریب تھا۔ وہ اسکی شہد رنگ آنکھوں کو کنفوزن میں دیکھ رہی تھی۔ اسے وہ کنفوزڈ لڑکی اس وقت حد سے زیادہ معصوم لگی تھی۔ کچھ لمحات وہ دونوں ایسے ہی ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔

excuse me! can you guys hurry up?

یہ کیب ڈرائیور تھا جس نے اکتا کر انہیں دیکھا تھا

Okay..we are going relax

.اس نے ڈرائیور کو جواب دیا اور پھر زاریہ کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ تیزی سے اتر کر پیچھے گئی۔ اس نے کیب والے کو پیسے دیے اور ڈگی سے سامان نکالا۔ پہلا سوٹ کیس زاریہ کا تھا۔ اس نے وہ نکال کر نیچے رکھا پھر اپنا سوٹ کیس بھی نکال لیا۔ اس کو سمجھ نہ آئی کہ وہ یہاں کیوں اتر رہا ہے۔ اس نے سوٹ کیس نکال لیا تو اس کے سوالیہ تاثرات کو دیکھ کر جیسے سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی وہ اس کا اور اپنا سوٹ کیس دونوں لیے آگے بڑھ گیا۔ وہ تیزی سے اس کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے پیچھے لپکی اور آخر کار اسکے ساتھ پہنچ گئی۔ "آپ میری منزل پر کیوں اترے ہیں؟" اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "کیونکہ میری منزل کا راستہ آپ کی منزل سے ہوتے ہوئے آتا ہے۔" اس کے الٹے سیدھے جواب پر وہ جھنجلا کر رہ گئی۔ "کیا مطلب؟" تو وہ سر جھکا کر مسکرا دیا۔ اب وہ مسکرا کیوں رہا ہے؟ اس نے الجھن سے سوچا۔ "میرا مطلب ہے میں بھی سوئن برن میں پڑھتا ہوں اور آپکے ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ والا ڈیپارٹمنٹ میرا ہے۔ اور اس وقت آپ کو آپ کے ڈورم تک چھوڑ کر میں اپنے ڈورم میں جاؤں گا جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" بات اب جا کر اس کے پلے پڑی تھی۔ اسکو جیسے حیرت ہوئی۔ "مطلب آپ نے میری کوئی مدد

ہی نہیں کی بلکہ میں تو ایک بائی پراڈکٹ تھی؟ " اس نے کہا تو فرہاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ لٹریچر کیوں پڑھ رہیں ہیں

آپکو تو کیمسٹری پڑھنی چاہیے تھی" اس نے خفا سے انداز میں فرہاد کو دیکھا۔ تھوڑی آگے جاکر وہ رک گیا۔ "یہ لیجئے آپ کی اصل منزل آگئی ہے۔" اس نے سامنے دیکھا وہاں گرلز ڈورم لکھا تھا۔ اوہ اپنا سامان لیتی آگے بڑھ گئی پھر پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ "ویسے شکریہ ادا کرنا تو نہیں چاہیے پھر بھی تھوڑی بہت مدد کے لیے شکریہ" کہہ کر وہ تیزی سے اندر چلی گئی اور وہ اس پہر نا جانے کتنی ہی دیر اس جگہ کو دیکھے گیا جہاں سے وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر گئی تھی۔

وہ اپنے ڈورم میں آیا تو وہاں ریان بیٹھا اس کے لیپ ٹاپ پر کوئی آن لائن گیم کھیل رہا تھا اور ہیڈ فونز لگائے کسی سے کچھ بول رہا تھا غالباً گیم میں سپیکر پر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے ریان کے ہاتھ میں اپنا لیپ ٹاپ دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ یہ لیپ ٹاپ وہ یہیں چھوڑ کر گیا تھا اور گھر جاکر اس نے حمزہ کا لیپ ٹاپ مانگ کے اپنی اسائنمنٹ اس کے ذریعے سبمٹ کروائی تھی۔ یہ اس نے ابھی پچھلے سمسٹر میں ہی پورے پچپن ڈالر خرچ کر کے بنوایا تھا اور ریپئر کرنے والے نے اسے وارن کیا تھا کہ وہ اس کے سافٹ وئیر پر کوئی ہیوی ایپ نہ کھولے اور یہ ریان کا بچہ پوچھے بغیر اس پر کال آف ڈیوٹی کھیل رہا تھا اور نا جانے کتنے ہی عرصے سے اس کا لیپ ٹاپ یوز کر رہا تھا۔ اس نے اپنا سوٹ کیس رکھا اور عین ریان کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ ریان کو پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا پھر تیزی سے لیپ ٹاپ کی سکرین بند کر کے کرنٹ کھا کر کھڑا ہوا۔ "ارے تم کب آئے۔ میں نے تو ابھی ابھی تمہارا لیپ ٹاپ اٹھایا تھا بور ہو رہا تھا نہ اسی لیے" وہ جیسے جانتا تھا کہ اب اسکی خیر نہیں تھی۔ " تمہارا بیڑا غرق ہو۔

تمہیں میں روک کر گیا تھا کہ اس لیپ ٹاپ کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔ "اس نے کہا ساتھ ہی اس کی گردن کو ایک بازو سے ریسلنگ کے اٹیک جیسا پکڑ کر نیچے کیا۔ "سوری سوری آئندہ نہیں لگاؤں گا ہاتھ "ریان نے جلدی سے معافی مانگی تا کہ اس کی ہڈی پسلی نا ٹوٹ جائے۔ فرہاد نے اب اسے آزاد کیا تو ریان نے جھٹ سے اسے گلے لگا لیا۔ یار تم جانتے نہیں میں نے تمہیں کتنا مس کیا۔ تم نے تو آتے ہی حملہ کر دیا۔ " ریان کی اس حرکت پر وہ مسکرا دیا اور اس کی پیٹھ کو تھپکا۔ پھر اسے خود سے الگ کیا۔ " تمہاری حرکتیں ہی مار کھانے والی ہیں۔ " اس نے جل کر کہا۔ "میں تو اتنا معصوم سا انسان ہوں کہ تم مجھ پر میرے ہی علاقے میں آ کر وار کرتے ہو اور میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ " ریان نے معصوم شکل بنا کر کہا۔ ریان کا تعلق میلبورن سے ہی تھا اور وہ فرہاد کا کلاس میٹ اور ڈورم میٹ تھا۔ ان دونوں کی دوستی ریان کی پہل کرنے پر ہوئی تھی۔ وہ ڈورم میں نیا نیا آیا تھا تو اپنے بیڈ تک ہی محدود رہتا تھا۔ ان کا ڈورم کافی بڑا تھا اس میں آرام سے چار لوگ رہ سکتے تھے۔ وہ بھی چار ہی لوگ تھے۔ ریان پہلے دن سے ہی باقی لڑکوں سے گھل مل گیا تھا۔ جبکہ فرہاد ویسا نہیں تھا۔ وہ بہت کم کسی سے بات کرتا تھا۔ ریان نے اسے ایسے الگ تھلگ دیکھا تو وہ ایک دن اس کے پاس آیا اور اسے بولنے کے بہانے سے کتاب سے کوئی سوال سمجھنے لگا۔ فرہاد بہت ذہین تھا اور اسکا کسی سبجیکٹ میں اے پلس سے کم نہ آتا تھا۔ اس نے سوال سمجھا دیا تو ریان نے بات کا آغاز کیا۔ " میرا نام ریان عارش ہے آپ کا کیا نام ہے "اس نے ہاتھ بڑھا کر سلام کرنا چاہا تو فرہاد نے اس کا ہاتھ تھم کر جواب میں اپنا نام بتا دیا۔ اب ریان روز ہی کوئی نہ کوئی سوال پوچھنے اس کے سر پر آ پہنچتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان کی دوستی ہوتی گئی۔ ریان کہیں جا رہا ہوتا تو اسے گھمانے لے جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے سمسٹر تک وہ بہت اچھے دوست بن چکے تھے۔

وہ اپنے ڈورم کا نمبر دیکھ کر دروازہ کھول کے ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے تو سوچا تھا جیسے پاکستان کے ہوسٹل کے کمرے ہوتے ہیں یہ بھی اتنا ہی ہوگا مگر یہ تو پورا گھر تھا۔ ایک اپارٹمنٹ جتنا بڑا۔ وہاں چار بیڈ موجود تھے۔ ایسے کہ دو دائیں طرف تھے جن کے بیچ کافی فاصلہ تھا اور ان کے ساتھ سائیڈ ٹیبل بھی موجود تھی۔ بلکل ایسے ہی منظر بائیں جانب کے بیڈز کا بھی تھا۔ بیڈز سے آگے دو واڈروبز تھی۔ ایک دائیں طرف کے بیڈز کے ساتھ اور دوسری بائیں طرف۔ اب اس نے اس سے تھوڑا آگے کا جائزہ لیا تو وہاں ایک اوپن ائیر کچن بھی موجود تھا لیکن وہ عام اپارٹمنٹس کے کچن سے تھوڑا چھوٹا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنا سوٹ کیس واڈروب کے ساتھ موجود بیڈ کے ساتھ رکھ دیا۔ "اوہ ہائے نیو کمر۔" اسے پیچھے سے آواز آئی تو اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہ ڈورم کا جائزہ لینے میں اتنی مگن تھی کہ اس نے وہاں موجود دو لڑکیوں کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ لڑکی اس کے پاس کھڑی اسے وارم ویلکم کر رہی تھی۔ وہ شکل سے انگریز لگتی تھی۔ اس کے بال بلونڈ تھے جو کندھوں سے ذرہ نیچے آتے تھے اور رنگ گورا تھا۔ اس نے سفید شرٹ کے نیچے بلیو جینز پہن رکھی تھی۔ قد میں وہ زاریہ کے برابر تھی۔ "ہیلو میرا نام زاریہ ہے۔ میرا تعلق پاکستان سے ہے۔" اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "اوہ زاریہ۔ بہت پیارا نام ہے بلکل تمہارے جیسا۔ میرا نام کرسٹی ہے۔ میرا تعلق اٹلی سے ہے۔" اس نے اسے انگریزی میں کہا۔ "بہت اچھا لگا تم سے مل کر کرسٹی۔" اس کو واقعی اچھا لگ رہا تھا کہ وہاں سب کا رویہ دوستانہ تھا کوئی اس سے نفرت سے پیش نہیں آرہا تھا۔ "تمہاری آئیز نیچرل ہیں؟" کرسٹی نے پوچھا تو جیسے وہ اپنے خیالات سے باہر آئی۔ "جی نیچرل ہیں۔" اس نے مسکرا کر کرسٹی کو دیکھا۔ "واؤ بہت پیاری ہیں تمہاری آئیز۔" کرسٹی نے اس کی دل سے تعریف کی تو اسے بہت اچھا لگا۔ وہ وہاں سے چلی گئی تو زاریہ اپنی چیزیں سیٹ کرنے لگی۔ اس نے

سوٹ کیس سے ضرورت کا سامان نکال کر واڈروب میں رکھ دیا تھا۔ باقی سوٹ کیس ویسے ہی رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی۔

وہ کورین یا چائنیز لگتی تھی۔ وہ اندر آئی تو اس نے زاریہ کو دیکھا پھر اسے ہائے کہا۔ "ہائے نیو کمر میرا نام ہانہ لی ہے میرا تعلق کوریا سے ہے۔" اس نے کہا تو زاریہ جو واڈروب کا دروازہ بند کر رہی تھی اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ہائے ہانہ میں زاریہ ہوں پاکستان سے." تو ہانہ اسے بیسٹ آف لک دیتے ہوئے کوئی بک اٹھا کر باہر چلی گئی۔ زاریہ نے دیکھا کہ اس کے ساتھ والا بیڈ ابھی خالی تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ اس نے کرسٹی کو دیکھا جو کانوں میں ائیر پاڈز لگائے میوزک انجوائے کر رہی تھی۔ وہ کرسٹی کے پاس گئی۔ اسے آوازیں دی تو اس نے کوئی تیسری بار بلانے پر ائیر پاڈز ہٹائے۔ "یہ میرے ساتھ کسی نے نہیں آنا کیا؟"۔ "اس نے پوچھا۔ "ارے نہیں ابھی تمہاری طرح کوئی نیو سٹوڈنٹ آتی ہی ہو گی۔" اسے تسلی دے کر ائیر پاڈز پھر سے کانوں میں لگا لئے۔ اس نے بیڈ پر بیٹھ کر اب فون آن کیا تھا جو اس نے چارجنگ پر لگایا تھا۔ اس نے تایا جان کو ویڈیو کال کی۔ کچھ دیر بعد تایا ان نے کال ریسیو کی تو زاریہ جو دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔"

السلام وعلیکم تایا جان۔"

وعلیکم اسلام

بیٹا کیسی ہو۔ خیر خیریت سے پہنچ گئی تھی نا؟۔ کوئی مشکل وغیرہ تو پیش نہیں آئی؟۔" اسنے تایا کی پریشانی دیکھی تو انہیں تسلی دی۔ "جی تایا جان میں خیریت سے پہنچ گئی تھی۔ یہاں کے لوگ بہت مددگار ثابت ہوئے ہیں۔" اس کو اس کا جھکا سر اور مسکراہٹ اچانک ہی یاد آیا تھا اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔ پھر دادا

سے بات کرنے کے بعد اب وہ پر سکون سی بیٹھی کل کی پہلی کلاس کا شیڈول دیکھ رہی تھی کہ دروازے کی آواز اور قدموں کی آہٹ پر اس نے اوپر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ نئی سٹوڈنٹ لگتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ اس نے سر پر حجاب اوڑھ رکھا تھا۔ وہ گندمی رنگت بڑی بڑی آنکھوں اور گہرے نقوش والی خوبصورت سی لڑکی تھی۔ وہ اندر آئی تو اس کی پہلی نظر زاریہ پر گئی۔ زاریہ نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی جواباً مسکرا کر ہاتھ ہلا دیا اور اس کی طرف بڑھ آئی۔ " ہائے آپ کا کیا نام ہے؟ آپ انڈیا سے ہیں؟ " سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ اس لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا تو زاریہ نے سر ہلایا۔ " نہیں میں پاکستان سے ہوں۔ میرا نام زاریہ ہے۔ "

اس لڑکی نے اردو میں شکر ہے کہا تو زاریہ کو حیرت ہوئی۔ "آپ بھی پاکستان سے ہیں؟ " اس بار زاریہ نے اردو میں پوچھا تو لڑکی نے اس کی جانب دیکھا۔ " نہیں میں انڈین مسلم ہوں اور میرا نام ایشل نور ہے " زاریہ کو خوشی ہوئی کہ وہاں اب کوئی اسکی زبان سمجھنے والا موجود تھا۔

وہ ایک شاندار بڑا سا آفس تھا۔ جس میں ایک ادھیڑ عمر آدمی آفس چیئر پر سر پیچھے ٹکائے آنکھیں مونڈے بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے ریک میں فائلز کے پلندے پڑے تھے۔ وہ اس ٹرننگ چیئر کو پاؤں سے دائیں بائیں جھلاتا پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے فائل پڑی تھی جو اس نے ابھی غصے میں پٹخی تھی۔ اتنی دیر میں اس کا فون بجا تو وہ تیزی سے سیدھا ہوا اور فون کان سے لگایا۔ وہ اب ہاتھوں کو مٹھیوں بنائیں لب بھینچے ہوئے سنتا رہا پھر کچھ دیر بعد چلایا۔ " جیسا میں نے کہا ہے تم ویسا ہی کرو گے۔ تم اس کے ایک ایک قدم پر نظر رکھو اور مجھے ہر چیز کی اطلاع دو گے۔ " اس نے طیش کے عالم میں فون بند کیا اور ٹیبل پر پٹخا اور ایک بار پھر سر پیچھے ٹکا دیا تھا۔ آج اسے سوئٹ برن آئے تین ہفتے ہو چکے تھے۔ اس

دوران اس کی اور ایشل کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ اسے ایشل میں سارہ کا عکس دکھائی دیتا تھا کیونکہ وہ بھی سارہ کی طرح اسے اکثر اپنی چلبلی باتوں سے ہنسایا کرتی تھی۔ اسے ہمیشہ اپنے ہونے کا احساس دلاتی اور اس کی ڈھال بنی رہتی۔ زاریہ کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ اس کو ہر سیمینار اور تقریب میں لے کر جاتی۔ آج ہفتہ تھا اور وہ ڈورم میں بیٹھی اپنی پریزنٹیشن تیار کر رہی تھی جب اس کے پاس ایشل آ کر چپکے سے بیٹھ گئی۔ وہ لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ہوئے تھی جب اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔اس نے کن اکھیوں سے ایشل کو دیکھا۔ "اب آج کونسی فریاد لے کر آئی ہو؟" اس کو معلوم تھا کہ وہ اسے دوبارہ اپنے ساتھ کہیں جانے کا بولے گی اور واقعی وہ یہی کرنے والی تھی۔ "یار تم ایک بار سنو تو صحیح۔" اس سے پہلے کہ ایشل اسے کچھ بتاتی اس نے کانوں میں انگلیاں ڈالے مصنوعی غصے سے بولی۔ "

نو آئم سوری۔ میرا کچھ سننے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔ میری پریزینٹیشن ہے اور مجھے اس کی تیاری کرنی ہے" اس کے صاف انکار پر ایشل کا منہ بن گیا۔ اس نے کچھ دیر بعد ایشل کا پھولا منہ دیکھا تو اسے ترس آ گیا۔ "اچھا ٹھیک ہے

میں چلنے کے لیے تیار ہوں اب اپنا موڈ ٹھیک کر لو پلیز" اس نے جیسے ہی کہا تو ایشل کے پھولے منہ پر ایک دم سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے زاریہ کو ایک جھٹکے سے گلے لگا لیا۔ "تم بہت اچھی ہو۔ میں جانتی تھی تم مجھے انکار نہیں کرو گی۔

آئی لو یو زارو" اس نے اسے پیچھے کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔ "لیکن میری ایک شرط ہے۔ " اس نے کہا تو ایک بار پھر ایشل کشمکش میں آگئی کہ پتہ نہیں اب کیا بم گرانے والی ہے۔ "میں کسی ایک دو گھنٹے کے سفر والی جگہ پر نہیں جاؤں گی

اس سے کم فاصلہ مجھے قبول ہے اور ہم مغرب ہونے سے پہلے واپس آ جائیں گے۔ " اب کہ ایشل نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا اور بولی "جگہ تو تیس منٹ کے فاصلے پر ہی ہے لیکن ہمارے پلانز کچھ زیادہ ہیں۔ مگر تم فکر نہ کرو ہم جلد سے جلد آنے کی کوشش کریں گے۔ " اس نے زاریہ کو تسلی دی۔ اب اسے بھی ایشل کا اس طرح منت کرنا برا لگ رہا تھا تو اس نے ہامی بھر لی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تم نے یہ پلان بنایا کس کس کے ساتھ ہے؟ " تو ایشل نے اپنے فون پر دیکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔ "یار ایک تو ہماری کلاس کی کیتھرین ہے جس کے ساتھ ہمیں پراجیکٹ اسائن ہوا تھا پچھلے ہفتے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میری اس سے اکثر کیفے میں ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ تم تو کیفے آتی نہیں۔ باقی دو لڑکیاں دوسرے ڈیپارٹمنٹ سے ہیں۔

وہ کیتھرین کی جاننے والی ہیں" اب اسے تسلی ہوئی کہ کوئی لڑکا نہیں ہے تو اس نے ہاں کر دی۔ اس کے ہامی بھرتے ہی ایشل نے اسے آگاہ کیا۔ "او کے پھر کل ہمیں صبح آٹھ بجے ریڈی رہنا ہوگا۔ " ایشل نے بہت آرام سے کہا تو اس کے سر پر گھڑوں پانی آ گرا۔ "کیا مطلب ہم سنڈے کو بھی اتنی جلدی اٹھیں گے " اس نے کہا تو ایشل اس کے پاس چلتی ہوئی آئی اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کرتی فلمی انداز میں بولی۔ "ڈیئر زاریہ حیات، آپ نے جو شرط رکھی ہے اس کے مطابق واپس آنے کی پابندی ہے جانے کا وقت میں مقرر کروں گی۔ بھئی ایسے جانے کا کیا فائدہ جب ہم اپنے پلانز کو جی بھر کر

پورا نہ کر پائیں۔ اسی لیے ہم جلدی نکلیں گے" اب زاریہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ پر اب تک دیر ہو چکی تھی۔ صبح تقریباً سات بجے کا وقت تھا۔ آج سنڈے تھا اور وہ جاگنگ کرنے پارک آیا تھا جو یونیورسٹی سے قریب پڑتا تھا۔ اس نے سیاہ ٹراوزر کے اوپر سفید شرٹ اور سیاہ پولو کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ساتھ کانوں میں فون سننے کے لیے ائیر پاڈز لگائے ہوئے تھے۔ وہ چند میل ہی دوڑا ہو گا جب اس کا فون بجا۔ اس نے جاگنگ کے دوران ہی ائیر پاڈز کو نیکٹ کر لیے۔ دوسری جانب سے ریان کچھ عجلت میں بول رہا تھا۔ "یار وہ کیتھرین کو تیری گاڑی چاہیے۔" ریان کی دوستی اکثر لڑکیوں سے ہوتی تھی اور وہ "موسٹ ہینڈسم پلے بوائے" کے نام سے پورے کیمپس میں مشہور تھا۔ اس بات کا علم تو فرہاد کو اچھے سے تھا کہ اب یہ بھی اس کی کوئی چھٹی ساتویں گرل فرینڈ ہو گی مگر غصہ اس کو اس بات کا تھا کہ کہ وہ لڑکیوں کو فرہاد کی چیزیں دکھا کر شو اوف کرتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے فرہاد کی کار کو اپنی کار بتایا تھا۔ فرہاد کو اپنی محنت کی کمائی سے خریدی یہ کار بہت عزیز تھی۔ اور اس بات کا علم ریان کو تھا کہ اگر اس کی کار کو کچھ بھی ہوا تو ریان نے اگلے جہان پہنچ جانا ہے۔ اس نے جھنجلا کر پوچھا۔ "کون کیتھرین؟" تو ریان نے کہا "یار وہ میری دوست ہے اس کو اپنی دوستوں کے ساتھ گھومنے جانا ہے۔ اب بتا نا کیا کروں؟" یہ بھی سہی ہے پہلے بڑی بڑی پھینکتے ہیں اور جب پھنستے ہیں تو میرا دماغ کھانا یاد آجاتا ہے۔ فرہاد نے دل میں سوچا تھا۔ "تو میرا انتظار کر میں آ رہا ہوں" "ٹھیک ہے میں لٹریچر ڈیپارٹمنٹ کے باہر ہوں تو پہنچ "اس نے کہہ کر فون بند کیا اور اگلے ہی لمحے قدم واپسی کی طرف بڑھا دیے۔ وہ آج سفید رنگ کا پیروں تک آتا فراک پہنے ہوئے تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑے دونوں کندھوں پر گرایا ہوا تھا۔ وہ اب ڈورم کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی اور اسی پل ایشل حجاب سیٹ

کرتے ہوئے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔ "تم وہاں بھی یہ پہن کر جاؤ گی؟" ایشل نے حیرانی سے اسے سر تا پاؤں دیکھا تھا۔ زاریہ یونیورسٹی میں بھی ہمیشہ ایسے ہی فراک پہنتی تھی

اور آج بھی اس نے ویسا ہی فراک پہنا تھا۔ "ہاں مجھے ایسے ہی رہنا پسند ہے" اس نے جواب دیا تو ایشل نے اسے ایک بار پھر دیکھا۔ "تم جانتی بھی ہو کتنی سردی ہو جائے گی شام کے وقت اس میں تو تمہاری قلفی بن جائے گی۔ " ایشل نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی مگر وہ تو طے کر چکی تھی۔ "ہاں تو میرے پاس شال ہے نہ اور کوٹ بھی" اس نے اطمینان سے کہا تھا۔

ایشل کو معلوم تھا وہ اپنی بات پر قائم رہنے والی تھی۔ اب ایشل اپنے فون پر مصروف تھی جب اس نے عجلت میں بولا۔ "یار کیتھرین تو باہر آ بھی گئی ہے۔ اس کا میسج آیا ہے۔ " اور پھر وہ اپنا بیگ اٹھانے لگی۔ اس نے اب واڈروب سے ویجز نکالے تھے

اگر ایشل دیکھتی تو اس کو ایک بار پھر جھٹکا لگتا۔ وہ وکٹوریہ ماؤنٹین ٹریک پر جانے والے تھے اور وہاں کے ناہموار راستوں کے لیے یہ جوتے مناسب نہ تھے۔ مگر ایشل نے اس پر غور نہ کیا تھا۔ وہ اب ایک ساتھ چلتی ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئیں تھیں۔ وہاں پہنچنے پر اس نے ایک لڑکا جو دراز قد اور خوش شکل تھا کیتھرین کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو ایشل کو حیرت سے دیکھا۔ "ایشل تم نے تو بولا تھا دو لڑکیاں ہیں یہ لڑکا کون ہے؟" اسنے کہا تو ایشل نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ "

یار سچ میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیتھرین کی بچی کسی لڑکے کو بلا لے گی" وہ ابھی اسے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اسے دور سے وہ آتا دکھائی دیا۔ سیاہ ٹراؤزر اور سفید شرٹ کے اوپر سیاہ جیکٹ پہنے کانوں میں ائیر پاڈز لگائے وہ عجلت میں آ رہا تھا اور اس کے اڑے بال دیکھ کے اسے اندازا ہوا کہ شاید وہ بھاگ کر آیا تھا یا

جاگنگ سے آیا تھا۔ وہ اب اس لڑکے کے قریب پہنچ کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ دونوں بہت اچھے دوست ہوں۔ اس نے اسے دن کی روشنی میں آج پہلی دفعہ دیکھا تھا یا شاید اسے ایسا لگا تھا۔ وہ تو اس عجلت کی حالت میں بھی اتنا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ ابھی وہ اسے دیکھنے اور سوچنے میں مگن تھی کہ اس نے اس کی جانب دیکھا۔ زاریہ کا دل ایک دم تیزی سے دھڑکا تھا وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ زاریہ نے گھبرا کر آنکھیں نیچے کر لیں۔ مگر وہ ابھی بھی اسی کی جانب دیکھ رہا تھا اور وہ نیچی نظروں

پوچھا you like him?" سے بھی اس سے واقف تھی۔ اسے ایشل نے کہنی مارتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کیا سین ہے یو لائک ہم؟

تو اس نے ایشل کو دیکھا اور آہستگی سے بولی "ایسا کچھ نہیں ہے ایشل۔ تم چپ رہو" تو ایشل نے مسکرا کر دوسری جانب دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ساتھ کھڑے لڑکے سے کچھ کہتا واپس جا رہا تھا۔ زاریہ نے اسے بے چینی سے جاتا دیکھا تو ایشل نے اسے کہا۔ "تم اس کے جانے پر بے چین ہو ہے نا؟" اس نے ایشل کی طرف گردن گھمائی۔ "نن نہیں تو" اس کے اس اٹکنے پر ایشل کو ہنسی آگئی اس نے زبردستی ہنسی کو روکا۔ "تم مان کیوں نہیں لیتی کہ تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔" ایشل کو فرہاد کے بارے میں معلوم تھا اور وہ بھی اس نے زاریہ سے زبردستی ہی پوچھا تھا۔

دو ہفتے پہلے۔۔۔۔

زاریہ کلاس میں تھی۔ وہ اپنی چیزیں بیگ میں ڈال رہی تھی جب ایشل وہاں آئی۔ "یار تم نے مجھے وہ ائیر پورٹ والی بات پوری نہیں بتائی" اس نے روٹھے انداز میں کہا۔ زاریہ نے اسے مصروف انداز میں دیکھا

ساتھ ہی کتابوں کو سیدھا کرنے لگی۔ "بتائی تو تھی کی کیب سے آئی تھی" ایشل نے اسے بے زاری سے دیکھا۔ "نہیں نا تم نے ایک سے ہینڈسم لڑکے سے لفٹ لی تھی نا" وہ طنزیہ مسکرائی۔ "ہینڈسم لڑکا، لفٹ اس نے کوئی لفٹ نہیں دی تھی اسے خود یہاں آنا تھا" ایشل نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب اسے یہاں آنا تھا۔ پوری بات بتاؤ نا شروع سے" ایشل رومانوی فلمیں بہت زیادہ دیکھتی تھی اور اس کو اصل زندگی میں بھی ویسے ہی رہنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اور اب یہی وجہ تھی کہ اسے ہر چیز کو رومانوی انداز سے دیکھنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اب ایشل اس کے پاس بیٹھی پوری روداد سن رہی تھی۔ اس نے اسے اپنی اور فرہاد کی ملاقات کے بارے میں حرف با حرف بتا دیا۔ "اس ہینڈسم لڑکے کا نام کیا تھا؟" آخر میں ایشل نے تجسّس میں پوچھا تو زاریہ نے سوچا کہ اسے تو اس کا نام ہی معلوم نہیں جس نے اس رات اسکی مدد کی تھی۔ "نہیں معلوم" ایشل نے مایوسی سے اسے دیکھا۔ "یار حد کرتی ہو۔ بندہ کم از کم نام ہی ہوچھ لیتا ہے۔ اس کو بھی تمہارا نام نہیں معلوم؟" زاریہ نے اسے بے چارگی سے دیکھا۔ "نہیں" اور ایشل کا دل چاہا اپنے بال نوچ لے۔

موجودہ دن۔۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا تھا۔ اس نے کپڑے بدل لیے تھے اور بال سیٹ کرنے کے باوجود تیز ہوا کی وجہ سے ماتھے پر گر رہے تھے۔ اب کے اس نے سفید ڈریس شرٹ جس کے بازو کہنیوں سے مڑے ہوئے تھے اور سیاہ جینز پہن رکھی تھی۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ان کی طرف بڑھ آیا تھا۔ اب وہ زاریہ کی طرف دیکھ رہا تھا تو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔ "آپ ان کی دوست ہیں؟" اس نے انکھوں سے کیتھرین کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بھی بولتی۔ ایشل نے جواب دیا۔

"جی ہم دوست ہیں اور اصل میں ہم نے، میں نے اور کیتھرین نے پلان بنایا تھا کہ ہم گھومنے جائیں گے" فرہاد نے

دلچسپی سے سنتے ہوئے ہونٹ "اوہ" میں سکیڑے تھے۔ پھر ایشل نے ایک نظر ریان کو دیکھا جو ابھی تک کیتھرین کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا اور پھر فرہاد سے پوچھا "یہ آپ کا دوست ہے؟ " تو فرہاد نے مسکرا کر ریان کو دیکھا اور پھر سر جھٹکا۔ "جی یہ میرا دوست ہے اور اب میں اور میرا دوست آپ کو آپ کی منزل پر پہنچا دیں گے" فرہاد نے کہا تو زاریہ نے سوچا کہ اس دن تو اس نے کیب منگوائی تھی آج ہمیں کیسے چھوڑے گا؟ اس نے بس دل میں سوچا تھا کہا کچھ نہیں۔ فرہاد نے اس کی جانب دیکھا اور جیسے اس کے دل کا حال بھانپتے ہوئے بولا۔ "میں اپنی گاڑی کسی کے حوالے نہیں کرتا اور ائیر پورٹ سے جب آنا تھا تب بھی ریان نے کہا تھا کی میں تمہاری گاڑی لے کر آ جاتا ہوں پر میں نے کیب منگوائی تھی اور آج ریان میری

گاڑی کیتھرین کو دینے والا تھا مگر میں زرا اپنی چیزوں کو لے کر پاز سیو ہوں تو اس لیے میں نے سوچا کہ خود اپنی گاڑی کی حفاظت کروں" کتنا کنجوس ہے یہ لڑکا۔ زاریہ نے سوچا تھا۔ "اوکے ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ آج کا دن آپ لوگ ہمارے ساتھ گزار لیں" ایشل نے جس خوش اسلوبی سے کہا تھا زاریہ کے تو چاروں طبق روشن ہو گئے۔ اس نے ایشل کو گھورا تھا ایسے جیسے کہہ رہی ہو "تمہارا دماغ درست ہے" "چلیں ٹھیک ہے پھر مین گیٹ تک آ جایئے۔" اور کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں مین گیٹ کے باہر پہنچ گئیں تھیں۔ فرہاد گاڑی لے کر وہاں پہنچ چکا تھا اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر ریان موجود تھا۔

کیتھرین ان کو ہائے بولتی اندر بیٹھ چکی تھی اب ایشل بھی اس کے ساتھ اندر بیٹھ گئ تھی۔ زاریہ آخر میں تحمل کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ کچھ اس انداز سے بیٹھیں تھیں کہ فرہاد کی سیٹ کے پیچھے کیتھرین درمیان میں ایشل اور ریان کے پیچھے زاریہ بیٹھی تھی۔ بیک ویؤ مرر میں فرہاد اس کا عکس دیکھ سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر کسی نکتے کو تک رہی تھی۔ وہ ایسے ہی تھی وہ سفر میں بلکل نہ بولتی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ اب وکٹوریہ پارک پہنچ چکے تھے۔ ان دونوں نے سفر خاموشی میں گزارا تھا جبکہ کیتھرین ایشل اور ریان سارا راستہ بولتے آئے تھے۔ اب وہ گاڑی سے اتر کر اوپر ٹریک کی جانب جا رہے تھے۔ کیتھرین اور ریان سب سے آگے چلتے انہیں اپنے شہر کے اس سیاہی مقام کی تفصیلات بتا رہے تھے۔ ایشل زاریہ کے ساتھ چل رہی تھی اور وہ آخر میں سکون سے گردن جھکائے چل رہا تھا۔ ایشل نے آہستہ سے زاریہ کے کان میں سرگوشی کی۔ "یار آج اچھا موقع ہے" اس نے کہا تو زاریہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "کیسا موقع؟" تو ایشل اس کی گردن کے گرد بازو ڈالے اسے اپنے قریب لا کر بولی "دیکھو میں کیتھرین اور ریان کو لے کر جاتی ہوں تاکہ تم ہینڈسم لڑکے سے اس کا نام بھی پوچھ لو اور ہو سکے تو اعتراف محبت بھی کر لینا۔ میں جانتی ہوں وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے" تو زاریہ نے اس کو کہنی سے پکڑ کر ہلکا سا جھنجھوڑا تھا۔ "تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو ایسا کچھ نہیں ہے مجھے اسکا نام جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم۔ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی" اس نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا تھا مگر ایشل نے پھرتی دکھائی۔ "یہ تو تم اپنے دل سے پوچھنا" کہہ کر آگے کیتھرین اور ریان سے جا ملی۔ زاریہ کو ایک دم کرنٹ سا لگا تھا۔ اب وہ کیا کرے۔ اب وہ اکیلی چل رہی تھی کہ فرہاد قدم ملاتا اس کے ساتھ آ پہنچا تھا۔ اس نے فرہاد کی جانب نہیں دیکھا مگر وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ "آپ کیسی ہیں؟" اس نے نہایت معصومیت سے اس سے پوچھا تو وہ ہڑبڑا گئی۔ "جی میں ٹھیک

ہوں" اس نے کہا اور پھر ویسے ہی چلتی رہی۔ "کیا ہم یہاں رک کر بات کر سکتے ہیں۔ یہاں سے منظر بھی خوبصورت ہے" اس نے اسے کہا تھا۔ اور وہ رک چکی تھی۔ "جی کہیے کیا کہنا ہے" اس نے بہت سنجیدہ انداز میں کہا تھا "آپ اتنے غصے سے بولیں گی تو مجھ معصوم کی تو ڈر کے مارے آواز ہی نہیں نکلے گی" اور اب کے زاریہ کھلکھلا کر ہنسی تھی اور وہ کسی خوبصورت سحر کا شکار کھڑا ان ہنستی ایمرالڈ آئیز کو دیکھے گیا۔ اس کو ایک مدت کے بعد زندہ رہنے کی وجہ ملی تھی۔ اسکی وہ آنکھیں اور ہنستا چہرہ اس نے اپنے دل کے کسی چھپے ہوئے خانے میں قید کر لیا تھا۔ وہ ہنستی گئی اور وہ مسحور کن سا اسے دیکھے گیا۔ کچھ لمحات کے بعد اسکا وہ سحر ٹوٹا تو وہ اسے کچھ کہہ رہی تھی۔ "مجھے آپ کی مدد کے لیے آپ کو شکریہ کہنا چاہیے تھا، آئم سوری۔ اس رات میں زیادہ ہی روڈ بی ہیو کر گئی تھی۔" "کوئی بات نہیں آپ ٹھیک ہی کہہ رہیں تھیں۔ میں نے احسان نہیں کیا تھا

آپ کو ڈراپ کر کے مگر میں آپ کی دل سے مدد کرنا چاہتا تھا اس دن" اور اس پل اسے وہ سچا لگا تھا۔ اس کے دل نے اسے یقین دلایا تھا۔ اب وہ دونوں خاموش کھڑے دور پہاڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ پل دونوں میں سے کوئی نا بولا۔ اب فرہاد اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ دور پہاڑوں کے حسن کو۔ "آپ ہمیشہ ایسے ہی کپڑے پہنتی ہیں" اس نے اس کا پاؤں تک آتا فراک دیکھا۔ "جی مجھے ایسے ہی کپڑے پسند ہیں" وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "مگر میلبورن میں آکر تو سب لڑکیاں ویسٹرن ڈریسز کو ترجیح دیتی ہیں" اس نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر بولی۔ "میں باقی لڑکیوں کی طرح نہیں سوچتی اور مجھے اپنے کلچر کی ڈریسنگ ہی پسند ہے" وہ جیسے اس کے جواب سے متاثر ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد آسمان پر بادل جمع ہونے لگے اور ٹھنڈ میں اضافہ ہو گیا۔ زاریہ کو اب اس شال میں بھی ٹھنڈ محسوس ہوئی تھی۔ فرہاد نے اسے بازو

سمیٹتے دیکھا تو اپنی جیکٹ اتار کر اسکے کندھوں پر اوڑھانے لگا۔ وہ مبہوت کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ "کیا دیکھ رہی ہیں میں نے کہا تھا کہ میں آپ کی دل سے مدد کرنا چاہتا ہوں" کچھ دیر رکا اس کی آنکھوں میں جھانکا جبکہ ہاتھ ابھی تک اسے جیکٹ اوڑھانے کی وجہ سے کندھوں پر تھے "آپ کا خیال رکھنا چاہتا ہوں" اور وہ برف کا مجسمہ بنی اسے دیکھے گئی۔ اس نے جیکٹ سیٹ کر کے ہاتھ پیچھے کر دیے تھا۔

اور نظریں جھکائے مسکرا رہا تھا۔ وہ غور سے اس ہینڈسم لڑکے کو دیکھے گئی۔ وہ اب بنا جیکٹ کے تھا اور اس کی سفید پورے آستینوں والی شرٹ اب مکمل واضح تھی۔ اس کے بال اس کے ماتھے پر گرے تھے۔ وہ کوئی شہزادہ معلوم ہوتا تھا جو اپنی شہزادی کو بچانے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کے خیالوں کا سفر ٹوٹا۔ "آپ نے ناشتہ کیا تھا؟" اس نے پوچھا تو زاریہ نے نہ میں سر ہلا دیا۔ "آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ آپ یہاں رکیں میں ابھی آتا ہوں کھانے پینے کی شاپس نیچے ہیں اور آپ چل چل کر تھک گئیں ہوں گی۔ میں جا کر لے آتا ہوں" پھر اسے کچھ احساس ہوا تو فون نکال کر اپنا نمبر ڈائل کر کے اس کے سامنے کیا۔ زاریہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ "یہ میرا نمبر ہے آپ سیو کر لیں کوئی بھی پرابلم ہو تو کال کر دیجئے گا"

اسنے کہا تو زاریہ نے اپنے فون پر اس کا نمبر ڈائل کیا اور پھر الجھن سے فرہاد کو دیکھنے لگی۔ "میں کس نام سے سیو کروں" اور وہ اس کو دیکھ کر رہ گیا۔ "ظاہر ہے آپ میرے ہی نام سے سیو کریں گیں نا" وہ زچ آگئی تھی۔ "لیکن میں آپ کا نام نہیں جانتی" اب فرہاد کو احساس ہوا کہ اس نے تو اسے اپنا نام تک نہیں بتایا نہ ہی اسکا نام پوچھا۔ "اوہ گاڈ آئم سوری۔ میرا نام فرہاد ہے۔ فرہاد مصطفیٰ" اور اس نے اب اسے دیکھا تو وہ اسی کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ کچھ دیر بعد وہاں سے جا چکا تھا۔ وہ ہاتھ میں فون پکڑے اس

کے نام کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور زاریہ حیات ایک بار پھر اندھیروں میں کھڑی رہ گئی تھی۔ ابھی اس نے فرہاد کا نمبر سیو کر کے ڈیٹا اون کیا تھا کہ وہ ایشل کو میسج کر سکے اس کے موبائل پر نوٹیفکیشن آنا شروع ہو گ ئے۔ اسی دوران اسے ایک انان نمبر کے تصاویر بھیجنے کے نوٹیفکیشن بھی آئے تھے۔ اس نے انہیں بند کرنا چاہا مگر ان پر چ ہوا تو وہ کھل گ ئے۔ اب تصاویر لوڈ ہو رہی تھی۔ اور جب شفاف تصویر لوڈ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ ہل بھی نہ سکی۔ یہ تصاویر لاش کی تھی جس میں سے اعضاء جگہ جگہ سے نکالے گئے تھے۔ اس کو لگ رہا تھا وہ اب وہاں رکی تو اس کا سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ اب اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ان پہاڑوں کی جنگل نما جھاڑیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے قدم واپسی کی جانب بڑھائے اور پیچھے دیکھے بنا بھاگنے لگی۔ وہ تھوڑی دور ہی بھاگی تھی اور اس کا پاؤں مڑا اور وہ تکلیف کے عالم میں مزید نا چل پائی اور وہیں بیٹھ گئ۔ اس نے اپنے پاؤں کو دیکھا تو اس کے ایک جوتے کی اسٹریپ ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں اور منظر دھندلاتا گیا۔ تبھی اس نے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا۔ اس کو کچھ سمجھ نا آیا کہ وہ کس کو بلائے۔ تبھی اسے ان شہد رنگ آنکھوں کا خیال آیا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا نمبر ملایا۔ فون ایک ہی بیل کے بعد اٹھا لیا گیا تھا۔ "ہیلو آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ پریشانی کے عالم میں پوچھ رہا تھا جبکہ وہ بول نہ پا رہی تھی۔ بہت ہمت جمع کر کے اس نے صرف ایک لفظ بولا "ف فرہاد" اور پھر کال منقطع ہو گئ۔ اس کو لگا اسکی دنیا رک گئی ہے وہ بہت اذیت میں اس کا نام لے رہی تھی وہ کچھ سوچے بغیر واپس بھگا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ وہاں آ چکا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا جیسے اس نے زاریہ تک پہنچنے میں اپنا پورا زور لگا دیا ہو۔ وہ اب اس کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھ رہا تھا۔ وہ خاموش آنسوؤں سے سر جھکائے اپنے پاؤں کو دیکھ رہی تھی۔ اس پل فرہاد مصطفیٰ کو اپنے دل پر ضرب لگتے ہوئے محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایمرالڈ آئیز

جن پر وہ اپنا سب کچھ وار سکتا تھا، جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھیں ان ایمرالڈ آئیز میں آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ ان میں تکلیف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس کے پاؤں کو دیکھا۔ اس کے پاؤں کی ٹخنے والی جگہ سرخ ہو رہی تھی۔ "آپ کو چوٹ لگی ہے؟" اس نے بہت ہی نرم لہجے میں پوچھا تو وہ جو سر جھکائے ہوئے تھی۔ اس نے فرہاد کو دیکھا اور پھر دو بار گردن بلکل بچوں کے انداز میں ہاں میں ہلائی۔ آنسو اب بھی ٹپ ٹپ دونوں گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ اس نے ان آنکھوں کو دیکھا تو اس کو اپنا آپ ان میں ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ کچھ تھا جو ان آنکھوں کو اندر تک گھائل کر رہا تھا اور فرہاد مصطفیٰ کو وہی کھوجنا تھا اور ان آنکھوں کی ازیت کا بدلہ لینا تھا۔ اس نے ان پہاڑوں کے بیچ اس کے سامنے بیٹھ کر یہ بات ٹھان لی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ کھڑا ہوا اور اپنے جاگرز اتار کر اس کے سامنے رکھے۔ "آپ یہ پہن لیں" تو اس نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر فرہاد نے اسے ایک ہاتھ پیش کیا تو اس نے تھام لیا اور اب وہ اس کا ہاتھ تھامے جوتے میں پاؤں ڈال رہی تھی۔ "آپ کو چوٹ لگی ہے تو ہم اب یہاں نہیں رک سکتے، میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں" تو اس نے نم آنکھوں اور سرخ ہوتی ناک کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر سر جھکائے مسکرا دیا۔ وہ جو سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی اس کا یوں مسکرانا اسے اپنی توہین محسوس ہوا۔ اسے لگا وہ اس کا مزاق اڑا رہا ہو۔ "آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں" اس نے ایک دم سے اس روتی لڑکی کو تکلیف سے دیکھا۔ زاریہ اس کے بدلتے تاثرات کو سمجھ نہ سکی۔ "آپ کو ایسا کیوں لگا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو ہونگے اور میں آپ پر ہنسوں گا۔ تو آج یہ بات جان لیں مجھے آج سے پہلے اتنی تکلیف کبھی محسوس نہیں ہوئی جتنی ان ایمرالڈ آئیز میں آنسو دیکھ کر ہوئی ہے" وہ یہ کہہ کر اب اس کا ہاتھ پکڑے اسے سہارا دینا چاہ رہا تھا مگر زاریہ اس کی بات پر حیران کن سی کھڑی تھی۔ وہ اس سے اس بات کی وجہ بھی نہ پوچھ سکی تھی۔ وہ اب اسے گاڑی تک لے آیا تھا اور اس کی طرف کا دروازہ کھولے

ہوئے تھا۔ وہ اس کے کندھے کا سہارا لیتی اندر بیٹھ گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور ڈرائیور سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ فرہاد کی اس بات کے بعد سے ان دونوں میں سے کسی نے اب تک خاموشی نہیں توڑی تھی۔ گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد جب وہ اپنی منزل کے قریب تھے تو فرہاد نے بات کا آغاز کیا۔ "آپ کو اب احتیاط کرنی ہے، ہو سکے تو کچھ دن کی لیو لے لیں اور ریسٹ کریں" وہ جو اس کی پچھلی بات پر اب تک ہونک بنی بیٹھی تھی اس کی آواز پر چونکی۔ "ج جی ٹھیک ہے" اور پھر خاموشی سے ونڈ شیلڈ کے پار دیکھنے لگی۔ "آپ کو ڈورم سے کون لینے آئے گا؟" وہ ایک بار پھر چونکی۔ اس لڑکے نے مجھے شاکس دینے کی قسم کھا لی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ "وہ میں نے اپنی رومیٹ کرسٹی کو بول دیا ہے وہ لینے آئے گی" دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ اور پھر ایک طویل وقت تک خاموشی رہی۔ گاڑی اب اس کے ڈورم کے سامنے رک چکی تھی۔ کرسٹی وہاں پہلے سے موجود اس کی آمد کی منتظر تھی۔ وہ جیسے ہی دروازہ کھول کر اترنے لگی تو فرہاد نے اسے روک لیا۔ "آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا" اور پھر اپنا فون نکالے استعمال کرنے لگا۔ زاریہ نے اکتا کر اسے دیکھا۔ 'یہ لڑکا کوئی بات سیدھی نہیں کرتا بیچ میں بات کون چھوڑتا ہے بھلا۔ اب مجھے روک کر فون پر لگ گیا ہے۔ لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے'۔ وہ دل ہی دل میں اس کے بارے میں کہانیاں بن رہی تھی جب اس نے فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہ ایک دم چونکی پھر غور سے فون کی اسکرین کو دیکھا۔ "یہ تو میرا نمبر ہے" اس نے فون ہٹایا اور پھر مسکرا دیا۔ "جی آپ کا ہی نمبر ہے جس نمبر سے آپ نے کال کی تھی، مگر کیا ہے نہ میں سالار سکندر نہیں ہوں" زاریہ نے اسے پھر الجھن میں دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بات گھما رہا تھا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہوا بھلا" اب کہ فرہاد نے مدعا بیان کیا۔ "میری میمری فوٹو گرافک نہیں ہے نا سالار سکندر کی طرح۔ تو مجھے اس نمبر کو سیو کرنے کے لیے ایک عدد نام چاہیے ہو گا۔ اسی لیے میم اپنا نام بتا دیں" اب کے

معاملہ زاریہ کی سمجھ میں آیا اور وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔ "زاریہ نام ہے میرا" وہ کہتی باہر نکل گئی اور اسے رد عمل کا موقع بھی نہ دیا۔ وہ توہکا بکا سا اسے جاتا دیکھے گیا پھر مسکرا کر سر جھٹکا اور زن سے گاڑی بھگائے لے گیا۔ وکٹوریہ کے ٹریک پر شام کا دھندلکا چھا رہا تھا مگر دور پہاڑوں پر ابھی بھی دھوپ موجود تھی۔ ٹریک کے ایک طرف ایک چھتری کے نیچے گول بینچ کے بیچ ٹیبل موجود تھی۔ بینچ پر ریان بیٹھا دوسری طرف موجود کیتھرین سے کچھ کہہ رہا تھا جبکہ ایشل کیتھرین کے ساتھ بیٹھی فون پر مصروف تھی۔ وہ اب زاریہ کو میسج کر رہی تھی۔ "سب ٹھیک ہے نہ تم نے ہینڈسم لڑکے کا نام پوچھ لیا" اس نے شرارت سے نچلا لب دانتوں میں دبے ٹائپ کیا اور پھر فون رکھ کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "یار کیتھرین اب میں معافی مانگ تو رہا ہوں اپنی غلطی کی" وہ اس سے کہہ رہا تھا اور ایشل کو اس کی بات کی سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کس چیز کے لئے معافی مانگ رہا ہے۔ "تم نے جھوٹ کیوں بولا تھا سچ بتا دیتے" کیتھرین نے گھورتے ہوئے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد کیتھرین کا فون بجا تو وہ ایشل سے ایکسکیوز کر کے تھوڑا دور جا کر فون سننے لگی۔ ریان اور ایشل کے درمیان اب عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد ریان نے اس خاموشی کو توڑا۔ "آپ کی دوست بھی آپ کی طرح انڈیا سے آئیں ہیں؟" اس کے پوچھنے پر دور پہاڑوں میں دیکھتی ایشل کو جھٹکا لگا۔ اس نے ایک دم ہی رخ ریان کی طرف کیا۔ "جی۔۔ ان نہیں وہ پاکستان سے ہے۔ اور آپ کو کیسے پتہ کہ چلا میں انڈیا سے ہوں" اس نے اپنی ہڑبڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "وہ کیتھرین نے بتایا تھا کہ اسکی ایک مسلم فرینڈ انڈیا سے ہے۔ تو میں نے اندازا لگایا کی آپ ہی ہوں گی۔ ویسے انٹرسٹنگ۔ مطلب آپ انڈیا سے اور آپ کی دوست پاکستان سے، میں نے تو سنا تھا کہ انڈیا اور پاکستان نے درمیان کبھی دوستی نہیں ہو سکتی" اس نے کہا تو ایشل نے منہ بنایا جیسے اسے یہ بات بہت ناگوار گزری ہو۔ "آپ نے جو سنا ہے وہ سب سیاست اور آرمی کی باتیں ہیں، یہ لڑائی ان کی

ہے۔ ہم تو عام عوام ہیں بھلا کیوں فضول میں دشمنی پالیں گے؟ "اس نے فخر سے کہا تھا۔ ریان چند لمحے کے لیے لاجواب ہوا تھا۔ "ویسے جو بھی ہو لڑکیاں انڈیا کی ہوں یا پاکستان کی۔ ہوتی بڑی پیاری ہیں" اس نے کہا تو ایشل نے اکتا کر رخ پھیرا۔ 'آخر ہے تو وہی فلرٹ انسان' اس نے دل میں سوچا تھا۔ "آپ ابھی تو کیتھرین کی تعریفیں کر رہے تھے اب آپ کو ہم کیوں پیاری لگنے لگ گئیں" اس نے جتاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔ "ارے وہ تو ناراض تھی بے چاری اس لیے منت کرنی پڑی۔ مگر سچ میں آپ بہت خوبصورت ہیں ماشاللہ۔" وہ اس کے آخری لفظ پر حیرت میں آ گئی تھی۔ "آپ مسلمان ہیں؟" اب کہ اس نے فوراً پوچھا تھا۔ "جی الحمد للہ، کیوں آپ کو نہیں لگتا" 'ہرگز نہیں' اس نے ایک بار پھر دل میں سوچا۔ "آپ پیدائش سے مسلمان ہیں؟ "

اب اس کا تجسّس بڑھ رہا تھا۔ "جی پیدائشی مسلمان ہوں۔ میرے بابا کو ایک مسلمان عورت پسند آئی تھی جب وہ ایک دفع ایک فیکٹری کے ٹور پر تھے تو ان کو وہاں وہ حجاب میں کھڑی عورت ورکرز کو ڈائریکشنز بتاتی نظر آئیں تو وہ ان سے بہت متاثر ہوئے۔ کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے کیریئر کی اسٹرگل کے ساتھ ساتھ اپنا مذہب کا کس طرح سے خیال رکھے ہوئے ہیں۔ بس پھر بابا نے ان سے شادی کا فیصلہ کیا تھا اور مسلمان ہوئے تھے۔ بابا یہ کہانی مجھے بچپن میں کئی بار سنا چکے تھے۔ مجھے بار بار یہ واقعہ سننا بہت پسند تھا اور میں سوچتا تھا کہ کیا بابا کی طرح میرے ساتھ بھی ایسا انکاؤنٹر ہو سکتا ہے" ریان یہ بات کھوئے کھوئے اور سنجیدہ انداز میں کر رہا تھا اور وہ بھی اس کی باتوں میں کھو گئی تھی کہ ان دونوں کو پتہ ہی نہیں چلا کب کیتھرین وہاں آ کر بیٹھی ان کی گفتگو کا حصہ بن چکی تھی۔ اس بات کا اندازہ تب ہوا جب کیتھرین نے ہاتھ اٹھا کر تالیاں بجاتے ہوئے "واؤ" کہا۔ ایشل اور ریان نے ایک ساتھ اس کی

طرف دیکھا تھا اور پھر وہ تینوں ہنس دیے۔ ایشل نے فون چیک کیا جہاں پر اسکا زاریہ کو بھیجا پیغام ابھی تک ان دیکھا تھا۔ اس کو پریشانی ہونے لگی کیونکہ عام طور پر تو ایک دو منٹ میں ہی زاریہ اس کو جواب دے دیا کرتی تھی۔ اسی وقت ریان کا فون بجا۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "ہاں ٹھیک ہے میں لے کر آتا ہوں تو نیچے ویٹ کر" ریان دوسری جانب کی بات سن کر اب جواب میں کہہ رہا تھا پھر اس نے فون رکھ دیا۔ وہ جیکٹ سیٹ کے پیچھے سے اٹھاتا پہن رہا تھا جب ایشل نے اسے پوچھا۔ "میری دوست ساتھ ہے نہ آپ کے دوست کے؟" وہ زاریہ کے میسج نہ دیکھنے کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ "میرا دوست تو ہے آپ کی دوست کا پتہ نہیں" وہ بھی ریان تھا آخر۔ وہ اس کے جواب سے نا امید ہوئی۔ کچھ ہی منٹ کے بعد وہ لوگ ٹریک سے نیچے گاڑی کے پاس آگئے تھے مگر ایشل کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ "زاریہ کہاں ہے؟" اس نے آتے ہی فرہاد سے سوال کیا۔ "ان کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں انہیں ڈورم چھوڑ آیا" ایشل اب اضطراب کی حالت میں آگئی۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے تھے اور گاڑی اب اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔

ڈورم میں اس وقت زاریہ اپنی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھی لیپ ٹاپ سامنے رکھے ہوئے تھی مگر کھولا نہیں تھا۔ اس کا ذہن دور خیالات کی وادی میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی تک وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسے اس بات کا تو یقین تھا کہ اس وقت اگر فرہاد نہ ہوتا تو وہ اب صحیح سلامت نہ ہوتی۔ وہ ڈورم آئی تو بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے اس کی کب آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ اب ایشل کے دروازہ کھولنے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ ایشل بھی اسی کی طرف بڑھ آئی۔ "یار تمہیں کیا ہوا ہے تم واپس کیوں آگئی تھی؟" ایشل کی پریشانی دیکھ کر اس نے اسے کندھوں سے پکڑ کر تسلی بخش انداز میں آنکھیں بند کی۔

"کچھ نہیں ہوا تھا امی کی یاد آ رہی تھی تو بس گھبراہٹ ہو رہی تھی اسی لیے آ گئی" اس کے جواب پر ایشل نے اطمینان کا سانس لیا۔ "چلو شکر ہے ورنہ اس ہینڈسم لڑکے نے تو ڈرا ہی دیا تھا" زاریہ نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔ "کیا کہہ رہا تھا وہ" ایشل نے ناک سے مکھی اڑانے کے انداز میں ہاتھ ہلایا۔ "کچھ نہیں تم یہ بتاؤ، اس سے بات ہوئی تھی تمہاری یا تم جاتے ہی آنے کی ضد کرنے لگی" زاریہ اب لیپ ٹاپ پر ٹائپنگ کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی۔ "ہاں بات تو ہوئی تھی" اور ایشل نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اس کا نام فرہاد ہے اور" وہ کہہ کر رکی۔ "اور جلدی بتاؤ نا" ایشل نے کے بازو کو جھنجوڑ کر کہا تو اس نے مصنوعی غصے سے اسے دیکھا۔ "ایشل تم پاگل ہو۔ میری سلائڈ خراب کر رہی ہو اتنی محنت کی ہے میں نے" اس نے

کہا تو ایشل زرا سنبھل کر بیٹھی۔ "اچھا تم نے اس کا نمبر تو نہیں لیا ہو گا ہے نا" ایشل نے اپنی طرف سے پورے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ اس کی بات پر زاریہ نے مسکراہٹ دبائی۔ تبھی ایشل کو کھٹکا۔ "تم نے نمبر لیا ہے؟" اب کہ ایشل نے جوش میں پوچھا تھا۔ "آں ہاں اس نے میرا نمبر لیا ہے" اور پھر ایشل کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ دونوں ایسے ہی کافی دیر تک باتیں کرتیں رہیں پھر ایشل اپنی جگہ چلی گئی۔ زاریہ بھی پریزینٹیشن تیار کرنے کے بعد اب چیزیں سمیٹنے لگی۔ تبھی اس کی نظر نیچے پڑے جوگرز پر گئی جو اسے فرہاد نے دیے تھے۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھتی رہی۔ اگر یہ اس نے مجھے دیے تھے تو اس نے کیا پہنا تھا۔ ٹریک سے نیچے کا سفر بہت لمبا تھا یا میرے خدایا کیا وہ بنا جوتوں کے آیا تھا اور ڈرائیو بھی ایسے ہی کیا تھا۔ اور میں اسے بے رخی سے پیش آئی یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ کر شرمندہ

ہوئی۔اس کو اس بات کا احساس اب کچھ گھنٹوں کے بعد ہوا تھا۔اس نے اس کے جوتے اٹھائے اور اپنی ٹوٹے اسٹریپ والی ہیلز کے ساتھ رکھ دیا۔

آڈیٹوریم بھر چکا تھا تمام سٹوڈنٹس نشستوں پر براجمان سٹیج کی طرف متوجہ تھے۔ وہ اور ایشل سامنے کی سطر میں بیٹھے تھے۔ جن سٹوڈنٹس کی پریزینٹیشن تھی وہ اگلی لائن میں بیٹھے تھے۔ انہیں میں ایشل اور زاریہ کا گروپ بھی تھا۔ پہلی باری انہیں کے گروپ کی تھی۔ ایشل نے جا کر تعارف کروایا اور پریزینٹ کیا پھر اگلی باری زاریہ کی تھی۔وہ سٹیج پر ڈائس کے سامنے کھڑی لیپ ٹاپ ڈائس پر رکھے اب اپنا کام کھول رہی تھی۔اس نے سامنے بیٹھے سٹوڈنٹس کو دیکھا تو ایشل اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور پھر آنکھوں کو بند کیے سر کے خم سے گویا تسلی دی۔ مگر نا جانے کیوں اسے گبراہٹ ہونے لگی۔ ڈائس کے پیچھے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔اس کے سامنے وہ تصاویر آ گئی تھی۔ اس نے ہمت جمع کر کے پہلی سلائڈ کھولی اور اپنا تعارف کرا کر بولنے لگی مگر ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ دوبارہ اسے وہ خون کے لدے ہاتھ دکھائی دینے لگے۔اس نے نظریں اٹھا کر اوپر کی نشستوں کو دیکھا جہاں کوئی ہاتھ بلند کیے تالی بجا رہا تھا اور پھر اس کے پیچھے سب نے ایسا ہی کیا اور آڈیٹوریم میں تالیوں کی ایک گونج اٹھی۔ تالی بجانے والا وہ پہلا شخص اب ڈائس کے پار کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔لڑکی کے چہرے سے تمام سائے چھٹ چکے تھے اور رنگ بکھر گئے تھے۔ وہ اس شخص کو جانتی تھی۔ وہی شہد رنگ آنکھوں والا لڑکا آج سیاہ شرٹ میں ملبوس بازو ہمیشہ کی طرح کہنیوں سے موڑے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔اب وہ لڑکی پورے اعتماد کے ساتھ بولتی گئی۔اور جب رکی تو حال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ وہ سر کے خم سے سب کو شکریہ کہہ کر اپنی نشست پر واپس آ گئی۔کچھ دیر بعد اگلے گروپ کی باری آ گئی تھی اس نے

گردن موڑ کر اس جانب دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا مگر اسے وہ دکھائی نا دیا۔ اس جگہ پر اب کوئی اور بیٹھا تھا۔ زاریہ واپس آگے دیکھنے لگی مگر سوچیں اب بھی اسی کی جانب تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آگئی۔ اب وہ اس سیاہ شرٹ والے کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے پورا کاریڈور دیکھا مگر وہاں وہ نا تھا۔

گراؤنڈ اور دوسری کلاسز میں اکا دکا سٹوڈنٹس تھے کیونکہ اس ڈیپارٹمنٹ کے زیادہ تر سٹوڈنٹس آڈیٹوریم میں موجود تھے۔ 'وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کیا کر رہا تھا' اس نے سوچا۔ اور پھر جیسے ہی تھوڑا آگے گئی تو اسے وہ دکھ گیا۔ وہ سبزے اور کاریڈور کے بیچ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ زاریہ کو اس کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا کیونکہ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ آگے بڑھ آئی ایسے کہ اب اسے وہ دائیں طرف سے دیکھ سکتی تھی اسکا آدھا چہرہ۔ فرہاد نے قدموں کی آہٹ پر اسے چونک کر دیکھا تو اسے پتا چلا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں تھا۔ "آپ یہ سب کس لیے کر رہے ہیں؟" اس نے سوال دوٹوک کیا تھا۔ وہ واقعی جاننا چاہتی تھی کہ ایک غیر شخص کیوں اسکی فکر کرتا تھا۔ "میں نے آپکی کوئی مدد نہیں کی" اسکا جواب ٹکا سا تھا۔ زاریہ اسکے اس انداز سے جھنجلا گئی۔ "اگر آپ نے مدد نہیں کی تو اس وقت آپ میرے ڈیپارٹمنٹ میں کیا کر رہیں ہیں؟" وہ زاریہ تھی جو بات کی تہہ تک پہنچ کر ہی دم لیتی تھی۔ "غالباً آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں آپ سے دو سال سینیئر ہوں اور سوپر وائزنگ ٹیم کا حصہ ہوں۔ تو آپ کی اس تقریب کا انتظام سنبھالنے کے لیے میں یہاں موجود تھا"

)supervising team(

اب زاریہ کو لگا کسی نے ٹھنڈا پانی اس کے سر پر انڈیل دیا ہو۔ "لیکن آپ نے حال میں وہ سب کچھ کیا تھا۔ میری مدد کی تھی نا"

زاریہ نے اپنی انا کو ایک بار پھر کنارہ کش کرتے ہوئے پوچھا تھا "اوہ وہ۔۔۔ محترمہ آپ بہت وقت لے رہیں تھیں اور میں اتنا فارغ نہیں تھا۔ تو میں نے اپنا اور حال میں موجود لوگوں کا وقت بچانے کی کوشش کی تھی" زاریہ کو اب یہ سب اپنی توہین لگی۔ "آپ شکریہ کے قابل ہی نہیں ہیں" "آپ کا شکریہ" فرہاد نے بڑی ڈھٹائی سے کہا تھا۔ وہ جھنجلا کر آگے بڑھ گئی۔ "کہاں جارہی ہیں کلاس اور آڈیٹوریم اس طرف ہے" اس نے تو ٹھان لی تھی زاریہ کو ذلیل کرنے کی۔ "میں جانتی ہوں۔ میں کیفے جارہی تھی۔" جبکہ وہ واقعی غلط طرف جارہی تھی مگر اب اس شخص کے سامنے وہ جھک نہیں سکتی تھی جس نے اس کی توہین کی تھی۔ وہ آگے بڑھی تو اس کے تعاقب میں چاپ سنائی دی۔ اس نے پیچھے دیکھا تو وہ اس کے پیچھے آرہا تھا۔ "اب آپ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں" اس نے زچ ہو کر کہا۔ "میں آپکا پیچھا نہیں کر رہا مجھے بھی کیفے ہی جانا ہے" اور وہ اف کر کے رہ گئی۔

کیفے میں ہلکی ہلکی روشنی جھانک رہی تھی۔ اکا دکا لڑکے اور لڑکیاں بیٹھے کافی پی رہے تھے اور مختلف چیزیں کروسینٹس پائی کیک وغیرہ شیشے کے پیچھے نفاست سے سجے ہوئے تھے۔ وہ ایک طرف کی خالی ٹیبل پر جا بیٹھی تھی۔ تبھی اس کے سامنے والی کرسی پر فرہاد آکر بیٹھا تھا۔ اور وہ اف کر کے رہ گئی۔ "اس سے پہلے کہ آپ مجھ پر غصہ ہوں میں یہاں اس لیے بیٹھا ہوں کیونکہ آپ میری جگہ پر بیٹھی ہیں" زاریہ نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ فرہاد اب اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ تھا ان ایمرالڈ آئیز میں جیسے خفگی خوف اداسی کے ملے جلے تاثرات۔ چند لمحوں پہلے جب وہ اسے کوس رہی تھی تب وہ ٹھیک لگ رہی تھی مگر اب۔۔۔ فرہاد کو اس کا یوں خاموش ہونا کھٹک رہا تھا، "آپ سے ایک بات پوچھوں اگر آپ برا نہ منائیں تو؟" آخر اس نے ہمت اکٹھی کی۔ "جی

پوچھیں" زاریہ نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا تو وہ آنکھیں سنسان تھیں، فرہاد ان کو ایسے آج پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔ "آپ۔۔۔وہ۔۔اس دن ٹریک پر کیا کچھ ہوا تھا؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے پاؤں میں بھاگنے کی وجہ سے موچ آئی تھی اور سٹریپ بھی ٹوٹا تھا۔۔۔ "فرہاد نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ اس دن سے اضطراب میں تھا کہ اس سے وجہ پوچھ سکے۔ "اس دن۔۔وہ" زاریہ نے اب گردن جھکا دی تھی اور پہلو میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ "آپ اگر کمفرٹیبل نہیں ہیں تو رہنے دیں" اس نے اس کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا تھا کہ وہ اس کے اس سوال پر الجھ سی گئی تھی۔

"نہیں اٹس اوکے۔اصل میں تین چار

مہینوں سے جب ابھی میں پاکستان میں ہی تھی تب سے مجھے لگتا ہے کوئی ہر وقت میرے اوپر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اور مجھے کبھی ای میل کبھی میسج پر عجیب و غریب تصاویر بھی سینڈ کرتا ہے۔اس دن بھی ایسا ہوا تھا تو میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی" فرہاد اب آگے ہو کر بیٹھا غور سے سن رہا تھا۔اس کی شہد رنگ آنکھیں سنجیدہ تھیں۔ "آپ کا کوئی دشمن ہے یا آئی مین کسی کی دشمنی ہو آپ کو کسی پر شک ہے؟" زاریہ نے نہ میں سر ہلایا۔ "نہیں میری زندگی میں بس میری چھوٹی سی فیملی ہے اور ایک دوست۔ان پر میں کبھی شک کر ہی نہیں سکتی" وہ اب ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہا تھا پھر زاریہ کو دیکھا۔ "آپ کے ساتھ کبھی کوئی حادثہ پیش آیا ہے" اب کہ زاریہ نے پہلو بدلا تھا اور کھڑکی سے باہر دیکھتی اس کی نظروں کی طرح اس کی سوچ بھی کہیں بہت دور دیکھ رہی تھی۔ "میری زندگی میں صرف ایک ہی حادثہ پیش آیا تھا اور وہ میری زندگی کو اندھیروں میں دھکیلنے کے لیے کافی تھا" اس نے قرب سے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ بھیانک منظر آج کئی سالوں بعد ایک بار پھر اس کے سامنے سے گزرے تھے اور اس کی

روح تک کانپ گئی تھی۔ فرہاد کو لگا اس نے بہت غلط کیا اس سے ایسے سوال کر کے جس کی گہرائی وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ اب اپنا آپ مجرم سمجھ رہا تھا اور دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا۔ "میں نے آج تک یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ پندرہ سال فرہاد پندرہ سال سے وہ واقعہ میرے اندر کسی سانپ کی طرح پنپ رہا ہے۔ "اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر پہلو میں آ گرا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے آنسو بہانے کے بعد اب وہ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ "میں دس سالوں کی تھی جب میری امی اس دنیا سے میری آنکھوں کے سامنے رخصت ہوئیں تھیں۔ بارہ مارچ کی شب کو میں امی کے ساتھ پارک سے واپس آ رہی تھی۔ امی نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میں دائیں طرف تھی جبکہ امی مین روڈ کے ساتھ تھیں۔ تبھی ایک گاڑی۔ " وہ آگے بول نہ پا رہی تھی اس کو لگا اگر اس نے اس کا ذکر ایسے بلند آواز میں کیا تو وہ اگلا سانس نہیں لے پائے گی۔ فرہاد اب ٹیبل پر پانی کا گلاس اس کے آگے کیے ہوئے تھا۔ اس نے چند سپ لیے تھے۔ فرہاد کو اسے ایسے دیکھ کر تکلیف ہوئی اور اسکا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ "وہ گاڑی پتہ نہیں کہاں سے آئی۔۔۔ وہ۔۔ میری امی کو گھسیٹ کر آگے لے گئی۔۔۔ مم۔۔۔ میرا ہاتھ امی کے ہاتھ سے ایک جھٹکے سے چھوٹا تھا۔ میں چیخنا چاہتی تھی مگر آواز میرے گلے میں اٹک کے رہ گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو ام۔۔۔ امی بہت بری طرح سے کچلی گئیں تھیں۔ میں۔۔۔ ام۔۔۔ امی۔۔ " اور پھر وہ ہچکیوں کے ساتھ بچوں کیطرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ فرہاد نے اس کے پاس جا کر جھک کر اس کے کندھے کو نرمی سے تھپتھپایا اور اس نے اچانک فرہاد کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ فرہاد کی رنگت سرخ ہو گئی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ اب بھی ویسے ہی رو رہی تھی۔ کئی گھڑیاں ساعتیں اور لمحے گزرے۔ وہ دونوں ایسے ہی ایک دوسرے سے لگے رہے۔ اور پھر زاریہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا اور وہ تیزی سے پیچھے ہوئی۔ "س... سوری میں وہ" فرہاد نے اس کی بات سمجھتے ہوئے تسلی سے کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں آپ اپ سیٹ تھیں آئی کین انڈر سٹینڈ" زاریہ اب چپ ہو گئی تھی اس کی ہچکیاں بھی رک گئیں تھیں۔ "میری ماں کی قبر تک نہیں ہے کہ جس پر میں رو سکوں۔ ان ظالموں نے میری ماں کی لاش تک نہیں بخشی" فرہاد نے اب قرب سے

آنکھیں بند کیں تھی۔ "آپ کو لگتا ہے کہ یہ حادثہ تھا یا کسی کی پلاننگ؟" فرہاد کو اب یہ بات پریشان کر رہی تھی۔ "میں نہیں جانتی مگر اگر یہ کسی نے کروایا ہے تو کیوں وہ کیا چاہتا تھا" فرہاد نے اب نقطہ پکڑا تھا وہ کوئی حادثہ نہیں تھا۔ اس کے پیچھے کوئی وجہ تھی۔ "ہمیں بس یہی پتہ لگانا ہے کہ اس سب کے پیچھے ان لوگوں کا کیا مقصد تھا" زاریہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب "ہمیں"؟' زاریہ نے ہمیں' پر زور دیا تھا۔' "مطلب میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "لیکن آپ کیسے کریں گے" فرہاد نے اسے ایک جینئس لک دی اور پھر بولا۔ "آپ کو فرہاد مصطفیٰ کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ بس آپ کو مجھے اپنے متعلق تفصیلات بتانی ہیں اور پھر یہ جو کوئی بھی ہے اس کی خیر نہیں" زاریہ اب کہ مسکرا دی تھی اور فرہاد کو کہیں اندر سکون ملا تھا۔ آج زاریہ کو آسٹریلیا گئے آٹھ مہینے ہونے کو تھے۔ حیات ولا کی وہ کوٹھی اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑی تھی اور اس میں موجود لوگوں کی اب بھی وہی مصروفیات تھیں۔ دادا اور تایا ہی تھے جو زاریہ کا نام لیتے نہیں تھکتے تھے ورنہ تائی کے لیے تو وہ کوئی عذاب تھا جو کچھ دیر کے لیے ٹلا تھا۔ علینہ ہمیشہ کی طرح گھر سے بے نیاز آئے دن پارٹیوں میں جاتی اور رات کو دیر تک گھر آتی۔ شازل ایک ایک ہفتہ گھر سے غائب رہتا تھا۔ حیات صاحب کی مصروفیات بھی اپنے معمول کے مطابق چل رہیں تھیں۔ دادا باہر بیٹھے اخبار کی سرخیاں پڑھنے میں مصروف تھے جب تایا جان گیٹ سے ان کی طرف آئے تھے۔ "آؤ عالم سناؤ فیکٹریاں کیسی چل رہیں

ہیں" عالم صاحب اب ساتھ والی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔ "بس کچھ ملازمین نے چھٹی مانگ لی ہے آپ تو جانتے ہیں اتنا کام ہوتا ہے۔ ایک بھی ملازم غائب ہو تو نظام خراب ہو جاتا ہے" دادا اب اخبار بند کرتے سیدھے ہو بیٹھے تھے۔ "تو پھر کیا سوچا ہے اس بارے میں ہم ایسے اسے اتنی ذمے داری نہیں دے سکتے مگر آج نہیں تو کل ہمیں یہ سب اس کے اصل مالک کو دینا ہو گا" تایا جان نے رخ بدلا تھا۔ "ابا آپ جانتے ہیں جنہوں نے بھی عذرہ پر حملہ کیا تھا ان کی نظر اس سب پر تھی اور میں نہیں چاہتا کہ وہ سب کچھ اب اس معصوم کے ساتھ ہو کم از کم جب تک وہ کوئی مضبوط سہارا نہ ڈھونڈ لے تب تک یہ سب میری نگرانی میں رہنے دیجئے" دادا نے ان کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتے تائی ہاتھ میں چائے کا ٹرے لیے پہنچ آئیں تھیں۔ شازل مین گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی۔ "شازل کے رشتے کی بات چلائی ہے اسماء کی بیٹی لائبہ کے لیے، بہت ہی پیاری بچی ہے" یہ تائی کی آواز تھی۔ شازل اندر جاتے ہوئے ٹھٹھکا تھا۔ اور پھر وہ مڑا اور سیدھا لان میں آ گیا۔ "آپ سے کس نے کہا ہے کہ میرے لیے رشتہ ڈھونڈے" وہ اپنی ماں کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔ "تمیز سے بات کرو شازل وہ تمہاری ماں ہے" تایا جان نے شازل کو سختی سے ٹوکا تھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ "میں نے اپنے لیے رشتہ بہت پہلے سے ڈھونڈ لیا ہے" تائی اب کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئیں تھیں۔ تایا اور دادا نے بھی سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔ "میں شادی صرف زاریہ سے کروں گا ورنہ نہیں" تائی نے اسے غصے سے دیکھا اور زاریہ کے نام پر ان کا وجود تن گیا۔ "تم اس زبان دراز اور اکھڑ لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرو گے، میں مر جاؤں گی مگر اس لڑکی

کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی" شازل کی تیز نظریں ان کی جانب تھیں۔ "زاریہ کو تم سے شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ ایک سمجھدار بچی ہے اور اپنا مستقبل بنانا جانتی ہے۔ تم جیسے غیر ذمے دار شخص سے شادی کر کے وہ اپنی زندگی برباد نہیں کرے گی۔ بہتر ہو گا تم یہ بات جلد ہی سمجھ جاؤ" تایا نے آخری بات میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہی تھی۔ "پھر آپ لوگ بھی میری بات یاد رکھیں شادی تو اسے مجھ سے ہی کرنی ہو گی پھر اس کے لیے مجھے کوئی تیسرا راستہ ہی کیوں نہ اپنانا پڑے" وہ کہہ کر اندر چلا گیا اور باقی لوگ تنے اعصاب لیے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ میلبورن میں اب پہلے سے خاصی کم سردی تھی۔ ویکلی ایگزامز کا لاسٹ راؤنڈ چل رہا تھا اور سٹوڈنٹس کافی حد تک ریلیکسڈ تھے۔ وہ آج کیفے میں بیٹھی شیکسپیئر کا ہیملٹ پڑھ رہی تھی جب ریان سیٹی بجاتا آ کر اس کے سامنے کی کرسی پر دھڑام سے بیٹھا تھا۔ وہ ڈسٹرب ہوئی تو اس نے کتاب سے ایک نظر اس پر ڈالی۔ "ارے یہ کیا اتنی موٹی کتاب پڑھ رہی ہو ایشل۔ یہ تم سے اٹھائی کیسے گئی ہے" ایشل نے اکتا کر اسے دیکھا۔ "اف اوہ ریان تنگ مت کرو میں پڑھ رہی ہوں اور یہ موٹی کتابیں اگر تم بھی پڑھ لیتے تو آج عقل آ جاتی تمہیں" وہ ٹھک سے کہتی دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "نہیں بھئی یہ شیکسپیئر کی موٹی موٹی کتابیں میرے بس کا روگ نہیں ہے میرے لیے تو تین لائن کا فارمولا ہی بہت ہے" ایشل نے اب کتاب میز پر رکھی اور ریان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "کبھی تین لائنوں کے فارمولے سے آگے گئے ہو تو کچھ پتہ چلے دنیا کتنی وسیع ہے" ریان دلچسپی سے آگے ہوا اور شرارت اسے دیکھا۔ "یہ تمہارے شیکسپیئر بابا نے بتایا ہے" ایشل نے آنکھیں گھمائیں۔ "جی اور بھی بہت مشہور شخصیات پڑھ رکھی ہیں میں نے اور پتہ ہے کیا مجھے شیکسپیئر کی کونسی چیز اچھی لگتی ہے۔ وہ انسان کو اسکا وہ آئینہ دکھاتا ہے جو وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا انسان

خود کو پرفیکٹ سمجھتا ہے اور غلطیوں کا دوش قسمت کو دیتا ہے مگر شیکسپیئر کی کہانیوں میں ایسے کردار جو بہت طاقت رکھتے ہیں اور سمجھدار ہوتے ہیں ان کی زندگی کا وہ پہلو ہمارے سامنے لاتا ہے

جو ہم دیکھنا نہیں چاہتے اور اس کا انجام تو برا ہی ہوتا ہے۔ میں کہتی ہوں ہر انسان کو کتابیں پڑھنی چاہیے اس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔" وہ خاموش ہو گئی تو ریان کو دیکھا جو گال کے نیچے ہاتھ دیے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے دیکھنے پر ایک دم سیدھا ہوا "ویسے کتابیں نہ بھی پڑھو تو اپنی زندگی میں ہی بہت سے سبق مل جاتے ہیں آخر ہم بھی تو کسی کہانی کے کردار ہی ہیں" ایشل نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "ہاں ہم بھی کتابوں میں رہتے ہیں فرق اتنا ہے کہ ہم جن کتابوں میں رہتے ہیں ان کی کہانیاں تلخ ہوتی ہیں" اب کہ ریان نے ٹیک لگائے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ "مس ایشل آپ آئس کریم کھائیں گی؟ "ایشل نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اور اس مہربانی کی وجہ؟ " ریان نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ آپ کے اندر بہت کڑواہٹ ہے اس کو کم کرنے کے لیے مٹھاس کی ضرورت ہے" ایشل نے جھلجھلا کر واپس کتاب اٹھالی۔

سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آج تقریباً ایک سال ہونے کو آیا تھا اور سمسٹر بریک شروع ہو چکی تھی۔ وہ ورکنگ ٹیبل پر بیٹھا گردن فون پر جھکائے ہوئے مصروف لگ رہا تھا۔ ٹیبل پر لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا اور سکرین پر ڈیٹا کاپی ہو رہا تھا۔ وہ عجلت میں فون ملائے کان سے لگاتا لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف متوجہ تھا۔ "ہاں یار میں نے تمہیں ساری انفارمیشن سینڈ کر دی ہے ہو سکے تو نام اور آئی ڈی کارڈ بھی نکلوا دینا" اب فون بند کرتا وہ لیپ ٹاپ کو آگے کیے ہوئے تھا۔ ڈیٹا لوڈ ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے فون ملایا اور کان سے لگاتا کمرے سے باہر گیلری میں آگیا۔ "کیسی ہیں آپ؟ "اس نے فون ملتے

ہی کہا تھا اور اب وہ دور آسمان پر دیکھتا مسکرا رہا تھا، کچھ دیر پہلے والی سنجیدگی غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایشل کے ساتھ ابھی ابھی کمرے میں واپس آئی تھی اور فون کی سکرین چمکی تھی اس نے نام دیکھا تو ایک منٹ کے لیے بوکھلا گئی پھر فون اٹھایا اور آہستگی سے کان سے لگایا۔ ایشل اب دور بیٹھی اپنے فون پر مصروف تھی۔ اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے پرجوش سی آواز آئی تھی جیسے وہ اس کے فون اٹھانے پر بے انتہا خوش ہوا تھا۔ "میں ٹھیک ہوں آپ نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟" اس کے پوچھنے پر دوسری جانب کچھ دیر خاموشی ہوئی پھر وہ بولا۔ "مجھے آپ سے ملنا ہے ایک ضروری بات کرنی ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ زاریہ نے اسے ملنے کا وقت اور جگہ بتا دی اور فون رکھ دیا۔ فرہاد لیپ ٹاپ بند کرتا باہر نکلا ہی تھا کہ ریان سے ٹکر ہو گئی۔ "اف اوہ کیا کر رہے ہو ریان کے بچے" اس نے ریان کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا تو آنکھوں پر وی آر لگائے ہوائی پنچ مار رہا تھا۔ فرہاد کچھ دیر ہنسی دبائے اسے دیکھتا رہا۔ "اب یہ کس کے چرائے ہیں؟" فرہاد نے مصنوعی سنجیدگی کہا تھا۔ ریان نے وی آر اتار کر فرہاد کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ "تم نے مجھے چور ہی بنا دیا بھئی یہ تو میرے ہیں ذاتی کیتھرین کو امپریس کروں گا پہلے تو پڑھائی کی وجہ سے ٹائم ہی نہیں ملتا تھا"

فرہاد نے سینے پہ بازو باندھے۔ "اور تمہیں لگتا ہے لڑکیاں ان فضولیات سے امپریس ہوتی ہیں؟" ریان نے کچھ سوچنے کے انداز میں ٹھوڑی کھجائی "تو پھر کیسے ہوتی امپریس؟" فرہاد نے اسے ایک طرف کیا اور ساتھ سے گزر گیا "مجھے کیا پتا ہٹو تم مجھے دیر ہو رہی ہے" ریان اس کے پیچھے لپکا تھا۔ "نہیں اب تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔۔۔ایک منٹ کہیں تم بھی کسی لڑکی کو امپریس کرنے کے چکروں میں نہیں ہو؟" فرہاد رکا نہیں "ایسی کوئی بات نہیں ہے" ریان نے شرارت سے لب بھینچے تھے۔ "کہیں تم اسی لڑکی

سے ملنے تو نہیں جا رہے تمہاری ہم وطن وہ ایمرالڈ آئیز والی؟ " فرہاد ایک دم ٹھٹک کر رکا اور پھر تیزی سے ریان کی طرف گھوما۔ "ہاں اسی کے پاس جا رہا ہوں لیکن امپریس کرنے نہیں.... جان بچانے" کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ کیفے میں تین ٹیبل فل تھے آخری ٹیبل پر وہ بیٹھی گھڑی پر وقت دیکھ رہی تھی اور کھڑکی سے باہر راستے کو تک رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دور سے اسے وہ آتا دکھائی دیا۔ نیلی جیکٹ اور نیلی جینز میں جیکٹ کے نیچے سفید ہائی نیک دکھائی دے رہی تھی وہ گردن جھکائے سنجیدگی سے زمین کو تکتا عجلت میں کیفے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے آکر کرسی پر بیٹھ گیا تو اس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ اس نے کیوں بلایا ہے۔ فرہاد نے سمجھتے ہوئے ہاتھ میز پر رکھے باہم پھنسائے اور اسے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔ " مجھے آپکو بتانا تھا کہ اس شخص کی معلومات میرے تک جلد ہی آجائیں گی اپکو اب گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے" زاریہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "آپ کوئی مافیا یا گینگ کا حصہ تو نہیں ہیں جو آپ کسی کی معلومات ایسے منٹوں میں نکلوا لیں گے" زاریہ نے شک کے انداز میں اسے دیکھا تھا۔ فرہاد گردن جھکائے ہنس دیا۔ "نہیں میں کسی مافیا یا گینگ کا حصہ نہیں ہوں۔ میرا ایک دوست آئی ٹی ایکسپرٹ ہے اسے کہا ہے میں نے" پھر کئی لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ زاریہ اسے دیکھے گئی۔ وہ موبائل پر متوجہ ہوتے ہوئے بھی اسکی نظروں کو اپنے اوپر محسوس کر سکتا تھا۔ "کیا گھور رہیں ہیں نظر لگائیں گی مجھے خواہ مخواہ" اس نے ویسے ہی موبائل پر نظریں جمائے کہا تو زاریہ ٹھٹک گئی پھر سنبھل کر بولی۔ "اتنے بھی کوئی پرنس چارمنگ نہیں ہو تم" اس نے آنکھیں گھما کر بے نیازی سے کہا تو فرہاد نے نظریں اس پر جما لیں۔ اور پھر وہ گھڑی وہیں رک گئی۔ وہ اس کی ایمرالڈ آئیز کو دیکھے گیا۔ یہاں تک کہ زاریہ کے گال سرخ ہونے لگے۔ اس نے تیزی سے نظریں چرائیں تھی اور اب فون پر بلاوجہ سکرولنگ کرنے لگی۔ "آپ تو تم پر آگیئں۔ اسکا

مطلب ہے میں آپ کے لیے اجنبی نہیں ہوں" زاریہ نے اس کو اب نہیں دیکھا وہ ویسے ہی گردن جھکائے رہی۔ "یہ کس نے کہا وہ تو ویسے ہی کہا تھا میں نے سوری 'آپ'" فرہاد نے فوراً جواب دیا۔ "اب آپ نے پھر مجھے پرایا کر دیا اور سوری کیوں کہہ رہیں ہیں مجھے تو اچھا لگا تھا" زاریہ نے اکتا کر اسے دیکھا۔ "میں آپ ریسپیکٹ سے کہتی ہوں اس میں اپنا پرایا نہیں ہوتا اور آپ کو تو کچھ بھی برا نہیں لگتا پتہ نہیں کیسے انسان ہیں آپ" اس نے منہ بنا کر کہا تو فرہاد کو ہنسی آگئی۔ زاریہ نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔ " تصیح کریں مجھے آپ کی کوئی بات بری نہیں لگتی ورنہ آپ سے ملنے سے پہلے تو اچھا بھلا انسان ہی تھا میں" اور زاریہ کا دل چاہا اپنا سر دیوار میں دے مارے۔

سینٹرل پارک میں آج رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ غالباً سٹوڈنٹس چھٹیاں گھروں میں گزار رہے تھے۔ کیتھرین نے ایشل کو دو بجے ہی آنے کو کہا تھا۔ پلان کے مطابق انہیں شاپنگ کرنی تھی امیوزمنٹ پارک اور پھر ریسٹورنٹ میں کیتھرین نے اپنی برتھڈے کی ٹریٹ دینی تھی۔ دو بج کے پانچ منٹ پر کیتھرین کو مین گیٹ سے ایشل آتی دکھائی دی۔ وہ دور سے ہی کیتھرین کو ہاتھ ہلاتی مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں اب پارک کی روش پر پودوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی کہ اچانک ایک ہیوی بائک زن سے ان کے ساتھ سے گزر کر ایک خطرناک موڑ کاٹتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں ہی چونک کر ایک دم پیچھے ہوئیں۔ ہیلمٹ اتار کر وہ لڑکا اب ہیرو کے انداز سے سر دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ کیتھرین نے آگے بڑھ کر اس کے بازو پر مکا مارا تو وہ آؤچ کہتا اسے غصے سے دیکھنے لگا اور پھر ہنس دیا۔ "آؤچ کے بچے آرام سے نہیں چلا سکتے تھے" ریان نے گردن کیتھرین کی

طرف جھکائی۔ "ڈارلنگ کیٹ یہ ہیوی بائک ہے اور ایسے ہی چلتی ہے" وہ جتانے والے انداز میں بولا تھا۔ پیچھے کھڑی ایشل یہ منظر دیکھ رہی تھی مگر نا جانے کیوں اس میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں تھی۔

ریان نے جیکٹ اتار کر کیتھرین کے کندھوں پر ڈالی تو وہ خوشگوار حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ "رکھ لو اب یہ تمہاری ہوئی برتھڈے گرل" کیتھرین اب کندھوں پر ڈالی جیکٹ کو ہاتھ سے محسوس کرتی خوش نظر آ رہی تھی۔ اور ایشل کو اچانک ہی کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔ آواز اس کے اندر سے آئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیوں مگر اس پل اسے کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ اس کے اندر کچھ کرچی کرچی ہوا تھا اور اب وہ اس کی آنکھوں میں واضح عیاں تھا۔ اس نے ایک نظر ریان کو دیکھا جو ابھی بھی کیتھرین کی طرف متوجہ تھا۔ اچانک ہی اس کی زخمی نظروں سے وہ نیلی مسکراتی نظریں ملیں۔ ریان نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ مگر وہ تو مسکرا بھی نہ سکی۔ پھر بادقت گردن اٹھا کر زبردستی مسکراتے ہوئے بوجھل قدموں سے آگے بڑھی۔ "کیتھرین تم نے اور کسی کو نہیں بلایا؟" اس نے نا چاہتے ہوئے بھی پوچھا تھا۔ "نہیں تم میری بیسٹ فرینڈ اور ریان میرا بوائے فرینڈ کافی ہو نا بس" یہ وہ آخری جھٹکا تھا جو زوردار لگا تھا اس کو۔ "بوائے فرینڈ سچ میں؟ تم دونوں واقعی سیرئیس ہو اس ریلیشن شپ سے" اس نے زبردستی مسکرا کر پوچھا تھا۔ "ہاں نہ ریان نے کل ہی مجھے پرپوز کیا تھا ایک بہت ہی خوبصورت جگہ پر۔ آئی ایم ویری ہیپی" وہ واقعی خوش نظر آ رہی تھی۔ ایشل نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے بہت قریب کھڑے باتیں کرتے دیکھا۔ وہ واقعی مکمل لگ رہے تھے۔ وہاں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹتی گئی۔ کیتھرین نے اسے دور کھڑا دیکھا تو اس کے پاس آ گئی۔ "ارے ایشل آؤ نہ چلو دیر ہو رہی ہے" ایشل نے اس معزرت کی اور زاریہ کے ساتھ کہیں جانے کا بہانہ بنا کر چلی

گئی۔ گاڑی پارکینگ لاٹ میں کھڑی کر کے وہ باہر نکلا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں فون تھا جو وہ کان سے لگائے ہوئے تھا۔ بائیں بازو پر کالی ہڈی لٹکائے وہ گردن جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھارہا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ فون ملائے دوسری طرف سے کسی کے جواب کا انتظار کر رہا ہو۔ اب وہ غور سے دوسری طرف کی بات سنتا رک چکا تھا۔ "تو کیا تم نے نام اور لوکیشن پتہ کی ہے؟" دوسری جانب سے جواب طویل تھا تو وہ خاموشی سے سنتا گیا۔ "وہ کارخانہ کہاں ہے مجھے اس کی لوکیشن سینڈ کرو اور نام نہیں پتہ چلا تو کوئی دوسرا طریقہ اپناؤ مجھے ہر حال میں مکمل معلومات چاہیے ہیں" اس نے سختی سے کہا اور کال منقطع کر دی۔ اب وہ گاڑی میں بیٹھ کر ریورس کر رہا تھا۔ اسے جلد از جلد جا کر لوکیشن کے متعلق سرچ کرنی تھی۔ چند منٹ کے بعد وہ کمرے میں داخل میں ہوا تو کمرے کا حال دیکھ کر سر پیٹتا رہ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک خوشبو کی لہر اٹھی تھی جیسے کسی نے پورا پرفیوم ایک ہی بار میں سپرے کر دیا ہو۔ اس کے بیڈ پر اس کی تمام ہڈُیز بکھری ہوئیں تھیں۔ فرش پر ایک لائن لگی تھی سنیکرز کی جیسے باری باری ان کو پہن کر چیک کیا گیا ہو۔ "ریان کا بچہ۔ آ لینے دو آج اسے" وہ غصے سے بڑبڑاتا احتیاط سے پاؤں خالی جگہ پر رکھتا اندر آیا اور لیپ ٹاپ ڈھونڈنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ پر ایک میپ دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ڈائری کھولے اس پر پین چلا رہا تھا۔ وہ پچھلے دو مہینوں سے کھوج میں لگا تھا۔ اور آج اسے کامیابی کی پہلی سیڑھی نظر آئی تھی۔ ہاں اس کے لیے کامیابی ان ایمرالڈ آئیز کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنے میں تھی۔ ایشل بوجھل قدموں سے چلتی اندر داخل ہوئی تو وہاں زاریہ پہلے سے موجود فون پر دادا سے بات کر رہی تھی۔ اس نے ایشل کو ایسے دیکھا تو پریشان ہو گئی۔ ایشل ایک بہت خوش رہنے والی اور زندگی کو کھل کر جینے والی لڑکی تھی۔ زاریہ نے اسے کبھی ذرا سی دیر کے لیے بھی اداس نہیں دیکھا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ زاریہ بھی اس کے ساتھ زندگی کے غم کو بھلا کر خوش رہنا سیکھ گئی تھی۔ مگر آج

اس کا بجھا چہرہ کوئی اور کہانی سنا رہا تھا۔ دادا سے سلام دعا کر کے اس نے فون بند کیا اور ایشل کے پاس چلی گئی۔ "ایشل کیا کچھ ہوا ہے تم اتنی بجھی بجھی سی کیوں لگ رہی ہو؟ " اس نے ایشل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا تو وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ "اگر انسان کسی کی خوشی سے جل رہا ہو تو وہ برا انسان ہوتا ہے نہ حاسد ہے نا۔ للہ کو حسد کرنے والے ناپسند ہیں" اس نے جیسے زاریہ سے تصدیق کرنی چاہی تھی۔ "

ہاں حسد بھی ایک گناہ ہے۔ تم مجھے بتاؤ بات کیا ہے ایسے خود سے الٹا سیدھا کیوں سوچ رہی ہو؟ " اس نے کہا تو ایشل اس کے گلے لگ گئی۔

زاریہ نے اس کی کمر تھپتھپائی پھر کندھوں سے پکڑا۔ "زاریہ م... میں کیا کروں مجھے آج اس بات کا شدت سے احساس ہوا ہے کہ مجھے ریان پسند ہے لیکن وہ اور کیتھرین" اس سے آگے وہ کچھ نہ بولی۔ زاریہ کو بات سمجھ آ گئی تھی۔ "ایشل تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ ریان سیریس نہیں ہوتا کسی کے ساتھ اور تم اس سے محبت کرتی ہو یہ غلط نہیں ہے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ محبت پر آپ کا اختیار نہیں ہوتا" ایشل اس کی بات پر غور کر رہی تھی۔ "اور ریان جیسے لڑکے دل کے صاف ہوتے ہیں وہ لڑکپن میں ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔ اسے کسی ایسے کی ضرورت ہے جو اس کو دل سے محبت کرے اور اس کی فیلنگز سمجھے۔ تمہیں لگتا ہے کیا کہ کیتھرین اس سے تم جتنی محبت کرتی ہے؟.... ہر گز نہیں وہ ویسٹ میں رہنے والی لڑکی آزاد خیال اور بیک وقت کئی لڑکوں سے دوستی رکھتی ہے جبکہ تم ایشل تم برصغیر کی مسلمان لڑکی ہو مذہبی اور روایتی۔ ریان بھی تو مسلمان ہے تم نے خود بتایا تھا تو اس کا اور کیتھرین کا مت سوچو۔ تمہیں بس ریان کے ساتھ وقت گزارنا ہو گا۔ اس سے اس کے متعلق پوچھا کرو۔ اسے اپنی

اہمیت کا احساس ہو گا اور پھر تم پیاری تو ہو ہی دیکھنا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے محبت کرنے لگے گا" زاریہ اسے بلکل بہنوں کی طرح سمجھا رہی تھی اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے سن رہی تھی۔ "زاریہ تم اتنی پازیٹو کیسے ہو؟" اس نے کہا تو زاریہ مسکرا کر سر جھٹک کر رہ گئی

آخری باب

صیّاد

میلبورن میں صبح کا منظر تازہ تھا۔ سورج کی کرنیں شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہیں تھی۔ ڈیپارٹمنٹ میں ایگزامز سیزن کی وجہ سے سٹوڈنٹس ہاتھوں میں کتابیں لیے گھومتے اور کہیں بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ بوائز ڈورم میں خاموشی چھائی تھی کیونکہ سٹوڈنٹس زیادہ تر سٹڈی روم یا پھر لائبریری میں موجود تھے۔ ایسے میں ایک لڑکا ایگزامز کی پرواہ کیے بغیر لیپ ٹاپ پر اٹیک آن ٹائٹنز دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس کی سٹڈی ٹیبل پر ایک بھی کتاب موجود نہ تھی جس سے واضح تھا کہ اس نے پڑھائی سرے سے کی ہی نہیں تھی۔ وہ سیاہ اونی ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور گرے ٹراوزر پہنے آرام دہ لگ رہا تھا۔ بازو سینے پہ لپیٹے سنجیدہ نظریں لیپ ٹاپ سکرین پر تھیں جب کمرے کا دروازہ کھولے کوئی اندر اتا ہے۔ فرہاد اتنا مگن ہوتا ہے کہ اسے یہ ہل چل محسوس ہی نہیں ہوتی۔ وہ زندگی میں صرف ایک چیز کو سنجیدگی سے لیتا تھا اور وہ تھی اینمی۔ اس کی زندگی میں یہ تفریح حمزہ لایا تھا۔ حمزہ نے اس کی زندگی کو روشنیوں سے بھرا تھا تاکہ وہ اکیلا اور کمزور کبھی محسوس نہ کرے۔ کمرے میں داخل ہونے والا لڑکا فرہاد کے پیچھے کھڑا نچلا لب دانت میں دبائے شرارت سے اس کی لیپ ٹاپ سکرین پر دیکھ رہا تھا۔ "ارے یار تُو نے بتایا ہی

نہیں کہ تُو بھی انیمیز دیکھتا ہے" اس نے اچانک اعلان کیا تو فرہاد نے لیپ ٹاپ تیزی سے بند کیا اور اسکی طرف مڑا۔ "کب سے کھڑا تھا تُو ادھر؟" ریان نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔ "مسٹر کھڑوس عرف فرہاد بھی ایسی چیزیں دیکھتے ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا" اس سے پہلے کہ وہ ریان کو مزید کچھ بولتا اس کا فون بجا تھا۔ اس نے فون پر دیکھا اور پھر جواب دیتا کمرے سے باہر نکل آیا۔ "کیسا کارخانہ؟" دوسری طرف کی بات سن کر وہ حیران ہوتے ہوئے بولا تھا۔ "اچھا بات سنو تم کارخانے کی تفصیلات مجھے سینڈ کرو میں دیکھتا ہوں" کچھ دیر بعد وہ فون بند کیے اب دوسرا نمبر ملا رہا تھا۔

باہر رش اور مصروف سے ماحول کو دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کمرے میں ہی پڑھے گی۔ اس کے ساتھ ایشل نے بھی موجود تھی اور وہ دونوں اب جین آسٹن کا پرائڈ اینڈ پریجڈیس کا تبصرہ کر رہیں تھی۔ زاریہ کو لگتا تھا کہ ایلیزبیتھ نے ڈارسی کا چناؤ کر کے ایک بہت غلط فیصلہ کیا تھا کیونکہ جو شخص اپنے سے بڑھ کر کسی کو کچھ نہیں سمجھتا وہ کیا محبت کی پاسداری کرے گا۔ جبکہ ایشل کو اس کے برعکس لگتا تھا کہ ڈارسی میں خود پسندی تھی مگر وہ احساس کرنے والا شخص تھا جسکو دوسروں کے جذبات سمجھ آتے تھے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب تھے۔ ابھی یہ بحث جاری تھی کہ اسکا فون بج اٹھا تھا۔ اس نے سکرین پر سارا کا نمبر جگمگاتا دیکھا تو اس کے چہرے پر تبسم آگیا۔ سارا سے اس کی بات بہت کم ہوتی تھی۔ کبھی زاریہ کے امتحانات ہوتے تو کبھی سارا مصروف ہوتی۔ ایسے میں اس کا اتنے عرصے بعد ویڈیو کال کرنا زاریہ کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ ایشل نے اسے دیکھا تھا وہ سارا کے بارے میں جانتی تھی اسے زاریہ نے بتایا تھا۔ "اوکے زاریہ تم بات کرو میں زرا یہ ٹاپک سرچ کر لوں" وہ کہہ کر وہاں سے چلی

گئی۔ زاریہ نے فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف سے سارا چہرے پر مسکراہٹ لیے اسے سلام کرنے لگی۔ سلام دعا اور چند ادھر ادھر کی باتیں کرنے کیں۔ "یار تم بتاؤ کب چھوڑیں گے یہ یونیورسٹی والے تمہیں آخری سمسٹر ہے نا یہ؟" زاریہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ "ہاں میں آٹھ فروری کو آزاد ہو نگی۔ تم بتاؤ بھائی کی شادی کب کر رہے؟" سارا پر جوش سی سیدھی ہوئی۔ "یار واقعی پھر تم آؤ گی نہ پاکستان یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔ مجھے تمہیں یہی بتانا تھا کہ بھائی کی شادی ہے فروری کے آخر میں ستائیس کو اور تمہیں ایک ہفتہ پہلے آنا ہو گا کیونکہ تم تو فرد ہو نا ہماری اور ہاں ہم لوگ لاہور شفٹ ہو گئے ہیں ایک اور نیوز" زاریہ نے حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا۔ "کیا یہ کب ہوا تم لوگ تو اتنے عرصے سے ملتان رہتے تھے پھر اچانک" سارا نے اس جو سارج روداد سنانا شروع کی۔ "اصل میں امی اور ابو کزن تھے اور جوائنٹ فیملی میں سب ساتھ ہی رہتے تھے ملتان والا گھر میرے نانا کی زمین پر واقع تھا اور امی اس گھر کس چھوڑنا نہیں چاہتیں تھیں۔ جب پھر میں اور بھائی بڑے ہوئے تو اخراجات میں اضافہ ہوتا گیا تایا ابو اپنی فیملی کے ساتھ لاہور شفٹ ہو گئے۔ اب بابا کی ریٹائرمنٹ ہو گئی ہے اور بھائی کی شادی کے اخراجات ویسے تو بھائی کی اچھی خاصی تنخواہ ہے مگر بابا نے کہا ہے شادی ان کی ذمے داری ہے۔ اس لیے اس گھر کو بیچنا ضروری ہو گیا تھا اور اب پھر ہم لاہور آگئے۔" زاریہ اس کی بات سن رہی تھی پھر اس کے بتانے کے بعد زاریہ کی حیرانی کم ہو گئ تھی۔ "واہ یار مبارک ہو ویسے تمہاری ہونے والی بھابھی کا کوئی بھائی یا کزن نہیں کے" زاریہ نے شرارت سے کہا تھا۔ سارا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ "اب تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو" "بتاؤ نہ ہے کوئی" سارا نے گہرا سانس لیا۔ "ہاں سنا ہے ایک بھائی ہے اور وہ جاب کے سلسلے میں اسلام آباد میں ہوتا ہے" زاریہ نے اب کہ نچلا لب دبایا تھا۔ "تم نے پوچھا کیوں ہے؟" سارا کو اس کے سوال پر حیرانی ہوئی تھی۔ "یات اگر کنوارہ ہے تو تم بھی اپنا چانس دیکھ لو" سارا

نے اسے مصنوعی غصے والے انداز سے دیکھا تھا۔ "زاریہ تم میری چھوڑو اپنی سناؤ وہاں تو بہت ہینڈسم لڑکے ہونگے اور میری خوبصورت ہیروئن جیسی دوست ہر کسی نہ کسی کا تو دل آیا ہوگا" زاریہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تو سارا کو حیرت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اس کی ایسی باتوں پر چڑ جایا کرتی تھی مگر آج اس نے اس کا جواب مسکرا کر دیا تھا۔ "زاریہ کون ہے وہ؟" سارا کو اس کی چمکتی آنکھوں سے اندازہ ہو گیا ہو گیا تھا۔ "کوئی نہیں ہے" زاریہ نے جواب دیا مگر دل و دماغ کوئی اور ہی گواہی دے رہا تھا۔ اور وہ اس گواہی کو جھٹلانا چاہتی تھی۔ وہ شید رنگ آنکھیں وہ جھکا چہرہ مسکراتا ہوا وہ کیوں اس کے سامنے آتا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں نہیں آسکتا تھا ورنہ وہ اس کو بھی تباہ کر دے گی جیسے اس نے اپنی ماں کو کیا تھا۔ وہ محبت کے لیے نہیں بنی تھی جو اس سے محبت کرتا تھا وہ تباہ ہو جاتا تھا۔ وہ زاریہ حیات تھی۔ اس کی زندگی میں کوئی محبت کوئی عزیزم نہیں آتا تھا۔ وہ اپنی عزیزم خود تھی مگر اس کی یہ سوچ جلد ہی غلط ثابت ہونے والی تھی۔

سارا سے بات کرنے کے بعد وہ ابھی فون رکھ ہی رہی تھی کہ اس کی نظر نوٹیفکیشن پر پڑی وہ میسج کا نوٹیفکیشن تھا۔ اس نے کلک کیا تو فرہاد کا میسج آیا تھا۔ "آپ فری ہوں تو فون کریں کچھ ضروری کام ہے" اس نے کبھی زاریہ کو میسج نہیں کیا تھا اور آج بھی اس کی تین مس کالز آئیں تھیں اس نے سوچا جب وہ سارا سے بات کر رہی تھی شاید تب آئیں تھیں۔ اس نے جلدی سے فرہاد کا نمبر ملایا۔ اگلے ہی پل اس نے فون اٹھا لیا۔ "اسلام و علیکم کیسی ہیں آپ؟ میں نے آپ کو فون کیا تھا آپ شاید بزی تھیں۔" کچھ دیر تو زاریہ کو سمجھ نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ "ہاں وہ میری دوست کا پاکستان سے فون آیا تھا۔ آپ کہہ رہے تھے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔" زاریہ نے پریشانی سے پوچھا تھا۔ "ہاں آپ کو کچھ بتانا تھا آپ

کیفے آ سکتی ہیں؟" زاریہ نے سوچا تھا۔ "آپ چار بجے آ جائیں۔ میں آپکا انتظار کروں گا" زاریہ کو کہنے کا موقع دیے بغیر ہی فرہاد نے فون رکھ دیا تھا۔ اس وقت ساڑھے تین کا وقت اس نے لائبریری سے ایشو کروائی ہوئی کچھ کتابیں واپس کرنیں تھیں۔ اس نے ایشل سے اپنے ساتھ چلنے کا بولا اور وہ دونوں لائبریری کی طرف چل پڑیں۔ "ہیلو لیڈیز" یہ آواز جانی پہچانی تھی جو کہیں پیچھے سے آئی تھی۔ زاریہ اور ایشل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں ریان کھڑا تھا۔ وہ بلیک لیدر جیکٹ اور سیاہ جینز پہنے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا مسکرا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ "ہیلو مسٹر پلے بوائے" ایشل نے جل کر بولا تھا۔ "زاریہ لگتا ہے آپ کی دوست کو میں نہیں پسند" زاریہ نے ایشل کو کہنی ماری۔ "ریان کیسے ہو تم؟" زاریہ نے ریان سے مسکرا کر کہا تھا۔ "میں ٹھیک اور بہت ہی ہینڈسم ہوں" ایشل نے اس کا کونفیڈینس دیکھ کر اس کو گھور کر دیکھا تھا۔ "اتنے بھی ہینڈسم نہیں ہو تم" ایشل تو جیسے اس سے اکتائی ہوئی تھی۔ "آپ کی دوست کو روجیلسی ہو رہی مجھ سے" ریان نے مسکرا کر زاریہ سے کہا تھا۔ "افف تم دونوں کا کیا ہوگا

زاریہ نے کہا تھا۔ "اچھا میں سوچ رہا تھا کہ اس بلڈنگ کے باہر ایک بہت پیارا پول ہے اور وہاں بیٹھ کر سامنے کا نظارہ بھی اچھا ہے تو کیوں نہ ہم وہاں چلیں" زاریہ نے ٹئم چیک کرتے ہوئے ایشل کو دیکھا۔ "میں تو تھوڑا بزی ہوں ایشل فری ہے تم اسے لے کر جاؤ میں بعد میں آ جاؤں گی" زاریہ نے کہا اور ایشل کو ناراض ہونے کا موقع دیے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی۔ اس نے ریان کو دیکھا تو وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اب چلیں میں آپ کو کھا تھوڑی جاؤں گا" ایشل نے اسے گھورا تو اس نے بیچاری سی شکل بنا لی۔

کیفے میں اندر کاؤنٹر کی ساتھ ایک ٹیبل پر موبائل پر ٹائم دیکھتا وہ بیٹھا تھا۔ نظر کبھی کیفے کے فرنٹ ڈور پر جاتی اور کبھی موبائل پر۔ وہ جب راہ دیکھتا دیکھتا مایوس ہوا تو اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے اپنا جھکا سر اٹھایا تو وہاں وہ اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے سفید رنگ کا پاؤں تک آتا فراک اور گلے میں ہم رنگ دوپٹہ ڈالا ہوا تھا۔ بالوں کی بیچ سے مانگ نکالے دونوں کندھوں پر ڈالے ایک کندھے پر بیگ کی لمبی سی سٹریپ تھی جس سے نیچے کہیں بیگ جھول رہا تھا۔ ایمرالڈ آئیز کو موبائل پر جمائے وہ ایک ہاتھ سے دروازہ دھکیلتی اندر آئی تھی۔ اور فرہاد اسے سفید رنگ میں آج پہلی بار دیکھ رہا تھا وہ رنگ اس کے دودھیا رنگت سے اسے مزید نکھار رہا تھا۔ اس کا سحر انگیز سراپا اب ٹیبل کے ساتھ فرہاد کے بلکل عین سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ بیٹھ گئی تھی مگر فرہاد کچھ بول نہ پایا تھا۔ "کیا بات بتانی تھی آپ کو مجھے؟" اس نے اضطراب کے عالم میں فرہاد کو دیکھا تو وہ جیسے ہوش میں آیا۔ "وہ ہاں آپ کو یاد ہے آپ کی امی کا حادثہ کونسی جگہ پر ہوا تھا۔ آئم سوری مجھے بار بار اس کا ذکر کرنا پڑ رہا ہے آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی مگر یہ ضروری ہے" زاریہ نے سر جھکا کر کچھ سوچنا چاہا۔ "ہاں میں جگہ کے بارے میں تو نہیں جانتی مگر امی مجھے پارک لے کر گئی تھی اور وہیں واپسی پر حادثہ ہوا تھا ہم پارک والی گلی سے آگے مین روڈ پر آئے تھے اور ابھی کچھ قدم ہی چلے تھے جب وہ گاڑی آئی" فرہاد اس کی بات غور سے سن رہا تھا ساتھ ہی اس کے چہرے پر چھپے اس خوف کو بھی دیکھ رہا تھا جو شاید وہ ابھی بھی چھپا کر رکھنا چاہتی تھی۔ وہ واقعی اپنی جنگ خود لڑتی تھی مگر جو اس کے مقابل تھا اس سے لڑنا ناممکن تھا۔ زاریہ کو دوسروں سے مدد مانگنا کبھی اچھا نہیں لگا تھا اور اس وقت وہ آخری حد تک لڑ چکی تھی اب اسے کسی کی ضرورت تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی مگر فرہاد جانتا تھا۔ "آپ سینٹ میری پارک کی بات کر رہیں ہیں" فرہاد نے آخر ہی کہا تھا۔ "آ.. آپ کو کیسے پتہ؟" زاریہ کی حیرانی یقینی تھی۔ لاہور میں اتنے پارکس تھے اور اس نے اسی

پارک کا نام لیا تھا بلا شبہ وہ صحیح تھا۔ "کیونکہ میں" وہ کہنے ہی لگا تھا پر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔ "کیونکہ میں نے اس حادثے کے متعلق معلانات نکلوائیں تھیں اسی لیے مجھے پتہ ہے آپ سے کنفرم کر رہا تھا" اس نے کہنے کے بعد ایک گہرا سانس لیا۔ "اوہ اچھا تو آپ نے کچھ بتانا بھی تھا نا مجھے" زاریہ نے اسے یاد دہانی کروائی تھی۔ "ہاں وہ جو سٹاکر ہے اس نے جو تصاویر آپکو بھیجیں ہیں اس کی لوکیشن معلوم ہوئی ہے۔ وہ ایک بیسمنٹ ہے جو لاہور کے ایک کارخانے کا حصہ ہے۔" زاریہ کو تشویش ہوئی تھی کہ اس سٹاکر اور اس حادثے کا تعلق لاہور سے ہی کیوں ہے۔ "آپ فکر مت کریں میں مزید جاننے کی کوشش کر رہا ہوں آپکو جلد ہی بتاؤں گا" زاریہ اب کہ اسے فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔ "آپ اتنا کچھ کیوں کر رہے ہیں میرے لیے؟" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور چند پل خاموش رہا۔ زاریہ نے اس کے یوں نظریں ملانے سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تو فرہاد نے بھانپتے ہوئے سر جھکا لیا۔ "مجھے خود بھی نہیں پتہ کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں شاید آپ کی آنکھوں میں آنسوؤں نے مجھے تکلیف دی تھی اس لیے۔ میں ان آنسوؤں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں" اس کا ایک ایک لفظ زاریہ کے دل کو کیوں بھا گیا تھا۔ وہ زاریہ کو اتنا سچا کیوں لگا تھا۔ وہ تو زاریہ تھی نہ جس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ کبھی کسی کس اس دل میں نہیں بسائے گی پھر سامنے بیٹھا یہ شخص کیوں اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ وہ کیوں اسے ایک بار پھر گھائل کرنے پر تلا تھا۔ وہ اگر اب گھائل ہوئی تو خود کو کبھی سمیٹ نہیں پائے گی۔ "آپ نے اس دن جس لڑکی کو روتا دیکھا تھا وہ اپنے کمزور لمحے میں تھی اب وہ لمحہ گزر چکا ہے اور وہ سنبھل چکی ہے تو اب آپ میری مدد سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں ویسے بھی دو ہی مہینے رہ گۓ ہیں پھر ہم شاید کبھی نہ ملیں۔ اسی لیے آپ اب میری فکر نہ کریں" اس کا سرد جواب وہ بڑی خاموشی سے سن رہا تھا۔ ایک ٹیس اٹھی تھی اس کے دل میں۔ وہ لڑکی ارنی بے رحم تھی یا زمانے کی سختیوں نے اسے ایسا بنایا تھا۔ وہ سامنے

بیٹھی سرد مہری سے اسے دیکھتی اگر اس کے دل کا حال جان لیتی تو جانے کیا کرتی۔ وہ تو جانتی بھی نہیں تھی کہ کوئی سولہ سالوں سے اس کی آنکھوں کے انتظار میں تھا۔ وہ جو سوتے جاگتے انہیں ہی تصور کرتا تھا۔ وہ آنکھیں آج اسے خود سے دور جانے کا کہہ رہیں تھیں۔ "میں چلتی ہوں مجھے ایشل نے بلایا ہے" وہ بیگ اٹھائے ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ فرہاد کی آواز پر اس کے قدم رک گ ئے۔ "آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کے کہنے پر رک جاؤں گا تو آپ سن لیں آپکی مدد کا فیصلہ نہ میں نے آپ کے کہنے پر شروع کیا تھا اور نہ ہی آپ کے کہنے پر رُکوں گا اور آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم یہاں سے جانے کے بعد الگ ہو جائیں گے، سولہ سال پہلے مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا مگر میں غلط تھا" وہ اسکی آخری بات پر الجھ کر رہ گئی تھی اس نے مڑ کر فرہاد کو دیکھا تو وہ آنکھوں میں سرخی لیے اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ زاریہ نے اس سے پہلے کبھی اس کی آنکھوں میں اتنی شدت نہیں دیکھی تھی۔ "سولہ سال پہلے... کیا مطلب؟" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ فرہاد کو احساس ہوا کہ وہ بات غلط موقع پر کر رہا ہے۔ "کچھ نہیں" زاریہ نے اسے کنفیوزڈ تاثرات سے دیکھا۔ "آپ کی باتیں مجھے الجھا دیتیں ہیں"۔ اس نے مسکرا کر سر جھکایا۔ "اور آپ کی آنکھیں" زاریہ دور تھی اور فرہاد کی آواز آہستہ تھی وہ سن نہ پائی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ایک بار پھر فرہاد کو دیکھا۔ "جی کچھ کہا؟" فرہاد کو معلوم نہیں تھا کہ اہ سن لے گی۔ "نہیں کچھ نہیں" اور پھر وہ باہر چلی گئی اور وہ کتنی ہی دیر اسی جگہ بیٹھا رہا۔

درختوں کے بیچ بہتی وہ ندی سورج کی کرنوں میں چمک رہی تھی۔ ایک بہت ہی خوبصورت منظر تھا جو وہ دونوں اپنی آنکھوں میں قید کر رہے تھے۔ "آپ کیسی ہیں؟" ریان نے اس کی طرف رخ کر کے پوچھا تو وہ چونکی۔ "میں ٹھیک ہوں۔ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے ایسا منظر اتنے سال اس یونیورسٹی میں

ہونے کے باوجود بھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ حیران ہوئی تھی کہ وہ یہ منظر دکھانے اسے کیو لایا ہے جبکہ کیتھرین اس کی گرل فرینڈ تھی۔ "اسی لیے کہ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اور میرے دل کے بہت قریب میں اکثر یہاں اکیلے آیا کرتا ہوں مگر آج سوچا آپ کو بھی دکھاؤں" ایشل نے اس کی طرف دیکھا تو وہ دور ندی کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جو ایشل کو چبھا تھا۔ وہ شاید اداسی تھی یا بے زاری وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ ایشل کو ناگوار گزری تھی کیونکہ اس نے ریان کو ہمیشہ خوش اور سب سے الگ دیکھا تھا۔ "اکیلے کیوں کیتھرین نہیں آتی ساتھ ؟" اس کے اس سوال پر یا شاید کیتھرین کے نام پر اس نے چونک کر ایشل کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر ایک گہرا سانس لیا۔ "میرے اور کیتھرین کے بیچ کچھ سیرئس نہیں تھا۔ میں ایک مسلمان لڑکا ہوں اور کیتھرین غیر مسلم۔ وہ مجھے ایک پلے بوائے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ میں بھی بس فلرٹ کرتا تھا اس کے ساتھ۔ پھر ایک دن ہم دونوں نے خود ہی راستے الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب وہ میری زندگی میں نہیں ہے" ایشل اسے ہی دیکھ رہی تھی وہ تھکا ہوا اور اداس لگ رہا تھا۔ اسے زاریہ کی بات یاد آئی جب اس نے کہا تھا کہ ریان کے اندر کہیں ایک اچھا انسان چھپا بیٹھا ہے اور اسے بس کوشش کر کے اس اچھے انسان کو باہر لانا ہے۔ "آپ اب اپنی زندگی میں آگے کیا کرنا چاہتے ہیں؟" ایشل خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا پوچھ رہی ہے مگر شاید اس سے کچھ بات بن سکے۔ "میں نے اپنی زندگی میں کبھی سیریئسلی کچھ کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔ اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے فرہاد ٹھیک منع کرتا تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ میں نے ایک شرط کی وجہ سے یہ سب کیا" ایشل کو وہ بہت بدلا ہو محسوس ہوا تھا۔ "کیسی شرط؟" ریان درختوں کو دیکھتا رہا۔ "جب میں یہاں ایک جونئیر کی حیثیت سے آیا تھا تو ہمارا ایک سینیئر لڑکا مائک تھا جو یہاں کا مشہور پلے بوائے تھا۔ باسکٹ بال کھیلنے کے لیے میں اور میرے دوست پلے گراؤنڈ میں گ ئے تو مائک بھی اسی پلے گراؤنڈ

میں آگیا اور ہمیں وہاں سے جانے کو کہا۔ میں ڈٹ گیا کہ ہم اسی پلے گراؤنڈ میں کھیلیں گے پھر اس نے شرط رکھی کہ تین روزہ میچ ہو گا اسی پلے گراؤنڈ میں مائک کی ٹیم کے ساتھ اور جا بھی جیتے کا یہ پلے گراؤنڈ اسکا اور پھر تین روزہ میچ اگلے دن شروع ہو گیا کیونکہ مائک بہت فیمس تھا تو اس کی یہ شرط پورے کیمپس میں پھیل چکی تھی اور میچ کے پہلے دن ہی ایک بڑا مجمع ہمارا مقابلہ دیکھنے آ پہنچا تھا۔ جیت ہمارے حق میں ہوئی تھی اور ایک بڑی تعداد میں لڑکیاں جو مائک کی طرف تھیں وہ اب اچانک سے مجھے مسٹر ہینڈسم بلانے لگیں تھیں۔ میں نے اپنا امیج ویسا کی بنانا شروع کر دیا کیونکہ میں سکول کالج میں بھی ایسا ہی رہا تھا۔ لاس وقت میں نے بس سٹوڈنٹ لائف کو انجوائے کرنا تھا اور آگے کا نہیں سوچا تھا۔ مگر اب سوچتا ہوں کہ میں نے زندگی کے لیے کچھ نہیں سوچا تو پچھتاوا ہوتا ہے" ریان کی ساری بات وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کیوں مگر اسے اس کے ساتھ یہاں بیٹھ کر اس کی باتیں سن کر بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ شام کبھی نہ ڈھلے اور وقت یہیں ٹھہر جائے۔ وہ اس کو سنتی رہے۔ یہ عجیب خواہش اس کے دل میں کیوں اجاگر ہوئی تھی وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ رءان نے رخ موڑ کر اسے دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔ "آپ کو میں بور کر رہا ہوں ہے نا" اس نے ایشل کو کہا تو ایشل نے فوراً نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔ "آپ مجھے بلکل بور نہیں کر رہے" وہ کہنا بہت کچھ چاہتی تھی مگر کچھ بول نہ سکی تھی۔ " جانتی ہے کیا آپ کو جب پہلی بار کیتھرین کے ساتھ دیکھا تھا تو مجھے لگا تھا کوئی کوہ قاف کی پری دیکھ لی ہو" اس کی اچانک تعریف پر ایشل کا دل اچھلا تھا۔ اس نے ریان کو دیکھا تو وہ ایک دم سے اس کی طرف مڑا اور آنکھیں اس پر جما لیں۔ ایشل کو اگلا سانس لینا بھول گیا۔ وہ اس کے اتنا قریب بیٹھا تھا۔ " مجھے زندگی میں بس ایک بار لگا کہ میں سیریئس ہوں جب میں نے اپ کو دیکھا تھا۔ مگر مجھ میں ہمت ہی نہیں ہوئی کہ میں اپکو کہہ سکوں کیونکہ میں ایک پلے بوائے ٹھہرا اور آپ کوہ قاف

کی پری" وہ آخری بات پر ہلکا سا مسکرایا مگر وہ ایک افسردہ مسکراہٹ تھی۔ "آہ کو لگا کہ آپ میرے ساتھ سیریئس ہیں؟ " ایشل نے مدھم آواز میں کہا تھا جو سرگوشی سے تھوڑی زیادہ تھی۔ ایشل کی ایک آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا مگر ریان نے نہیں دیکھا تھا وہ اب دور تک پھیلے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ "ہاں مجھے لگا تھا اور لگتا ہے کیونکہ آپ کو جب بھی دیکھتا ہوں دل یہی گواہی دیتا ہے ایشل میں کیا کروں؟ " اس نے گردن موڑ کر ایشل کو دیکھا تو ایشل نے جلدی سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا۔ مگر ریان نے اس کو روتا دیکھ لیا تھا۔ "آ.. آپ رو رہیں ہیں۔ آئم سوری مجھے آپ سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی میں جانتا ہوں میں آپکے قابل نہیں ہوں۔ اسی لیے پلیز مت روئیں" وہ اس کی آنکھوں میں نرمی دیکھ کر ایک مرتبہ پھر تڑپی تھی۔ "آپ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں ہاں" ایشل اس پر اچانک ہی چلائی تھی اب کی بار اس نے اپنے آنسو نہیں چھپائے تھے۔ وہ اس پر پھٹ پڑی تھی۔ ایک غبار تھا جو آج باہر آیا تھا۔ "ایشل کیا میں سمجھا نہیں میں معافی مانگ رہا ہوں نہ آئندہ کبھی اپ سے محبت کی بات نہیں کروں گا" ریان نے کچھ نا سمجھی سے ایشل کی طرف دیکھا پھر احتیاط سے بولا۔ "تم مجھ سے اپنے دل کی بات نہیں کرو گے؟ ہاں ٹھیک ہے مت کرنا میں ہی پاگل تھی جو تم سے محبت کر بیٹھی" وہ یہ کہہ کر کھڑی ہوئی اور اپنی چیزیں اٹھانے لگی۔ ریان اس کی آخری بات پر مبہوت بنا بیٹھا تھا پھر ایک دم ہی کھڑا ہوا اور اس کے پاس آیا اور اس کے جانے کا راستہ روک لیا۔ ایشل نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ نگاہیں اس پر جمائے ہوئے تھا۔ ایشل کو اپنا دل تیزی سے دھڑکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ "آپ مجھ سے محبت کرتیں ہیں؟ " ریان اسے اس پل ایک چھوٹا بچہ لگا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ "ہاں کی ہے تم سے محبت پہلی اور آخری مرتبہ" وہ آنکھیں میں چبھن لیے کہہ رہی تھی۔ "ریان نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ پتھر کا بت بن گئی۔ اس نے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ریان نے اس کا ہاتھ

اب اپنے سینے پر رکھا تو وہ اس کی تیز دھڑکن محسوس کرنے لگی۔ "آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ سے محبت کیسے بغیر رہ سکتا ہوں میڈم میری اس تیز دھڑکن کا سبب آپ ہیں۔ اس کا علاج آپ ہی کر سکتیں ہیں۔ بتائیں کریں گی؟" اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت بہت قریب کھڑے تھے۔ ایشل کا ہاتھ اب بھی اس کے سینے پر تھا جس کو ریان نے تھام رکھا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے اور وقت تھم چکا تھا۔ شام کا سورج اب ڈھل رہا تھا۔

دو مہینے بعد

دو مہینے گزر چکے تھے۔ امتحانات ختم ہو چکے تھے اور آج کانوو کیشن کا دن تھا۔ سارے طلباء اس وقت آڈیٹوریم میں موجود تھے۔ سٹیج پر اناؤنسمنٹ ہو رہیں تھیں۔ زاریہ کا نام پکارا گیا۔ وہ سٹیج پر گئی تو ایک طرف سے کسی نے تالی بجائی تھی اور پھر پورا حال تالیوں سے گونجا تھا۔ تالی بجانے والا وہ پہلا شخص زاریہ نے دیکھا تو اسے اپنی پہلی پریزینٹیشن یاد آئی جب فرہاد اس کی مدد کا انکاری ہوا تھا۔ اس منظر کو یاد کر کے اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔ کانوو کیشن کا ایونٹ اب اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ سارے سٹوڈنٹس اب اپنے دوستوں کے ساتھ تصاویر بناتے اور خوش گپیوں میں مصروف نظر آرہے تھے۔ ایسے میں زاریہ نے باہر نکل کر متلاشی نظریں کوریڈور میں گھمائیں تو اسے وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ کوریڈور سے نکل کر باہر گراؤنڈ میں چلنے لگی۔ دور سامنے ایک گھنے درخت کے نیچے وہ کھڑا تھا۔ بازو سینے پر باندھے اس کا آدھا رخ زاریہ کے سامنے تھا۔ اس نے کانوو کیشن والا کوٹ بازو پر ڈالے ہوئے سفید شرٹ کے بازو ہمیشہ کی طرح کہنی تک موڑے اپنے ازلی سٹائل میں کھڑا تھا۔ زاریہ کچھ پل تو اسے ویسے

ہی دیکھتی رہی پھر اس کی طرف قدم بڑھا دیے۔ کچھ دیر بعد وہ اب اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ فرہاد نے کسی کے پاؤں اپنے سامنے دیکھے تو چہرا اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ "آپ یہاں کیا کر رہیں ہیں؟ "فرہاد نے ایسے کہا تھا جیسے اسے اس کے یہاں ہونے میں شک تھا۔ "میں یہاں دوبارہ وہی سوال کرنے کے لیے آئی ہوں" فرہاد نے درخت سے پشت ہٹائی اور سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔ "کونسا سوال "زاریہ قدم بڑھا کر آگے آئی تو ان کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا۔ "اگر اس دن تالیاں مدد کرنے کے لیے نہیں تھیں تو آج بھی حوصلہ افزائی کے لیے نہیں ہونگی" اس کا انداز قطعی تھا۔ فرہاد نے سر کی پچھلی طرف ہاتھ پھیرا۔ "ظاہر سی بات ہے "زاریہ نے اکتا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا مجال ہے جو کبھی ہار مانے۔ "تو پھر آج کیا وجہ تھی" زاریہ نے بازو سینے پہ باندھے کہا تھا۔ "اج اس لیے کہ آپ یہاں آکر مجھ سے یہ سوال کر سکیں" اور زاریہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے فرہاد کو دیکھا تو وہ اسے دیکھتا مسکرا رہا تھا۔ "آج آخری ملاقات ہے ہماری اور آپ میرا مزاق اڑا رہے ہیں" زاریہ نے برہمی سے کہا۔ فرہاد کے تاثرات ایک دم سنجیدہ ہوئے۔ "پہلی بات یہ ہماری آخری ملاقات نہیں ہے اور دوسری بات میں آپکا مزاق نہیں اڑا رہا تھا میں نے واقعی سچ کہا ہے کیونکہ مجھے وہ دن نہیں بھولتا۔آپ اس دن صرف میرے بارے میں سوچ رہیں تھیں اور نا جانے کیوں مجھے اچھا لگا تھا آپکا ناراض ہونا کیونکہ جب آپ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اسے اپنا مانتے ہیں ورنہ غیروں سے کیسی ناراضگی" زاریہ اس کو یک ٹک دیکھے گئی۔اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کہے۔ فرہاد اس کو اس وقت بہت سنجیدہ لگا تھا۔ کیا وہ اس کے لیے اتنی اہمیت کی حامل تھی کہ وہ اس کے چھوٹے سے رویے کو لے کر خوش تھا۔ زاریہ کو اس پل لگا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکے گی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب اس نے اپنا وقت گنوا دیا تھا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ فرہاد نے ابھی کیا کہا ہے۔

"یہ ہماری اخری ملاقات نہیں ہے یہ آپکو کیسے پتہ ہے؟" فرہاد زاریہ کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "کیونکہ میرے دل نے اس بات کی گواہی دی ہے۔ اور ہمیشہ میرا دل اس معاملے میں سچا ثابت ہوا ہے" زاریہ کے اتنے قریب وہ کبھی نہیں آیا تھا۔ زاریہ کا دل اتنا زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا فرہاد اس کی دھڑکن سن سکتا ہے۔ وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی۔ فرہاد بھی پیچھے ہوا اور بیگ اٹھانے لگا۔ زاریہ اب واپس بڑھ گئی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا کر اس سے دعر چلی گئی۔

ائیر پورٹ پر گہما گہمی کا عالم تھا۔ وہ اپنا سامان لیے وٹینگ ایریا میں بیٹھی تھی۔ فون پر سارا کے میسج کا ریپلائی کرتی دادا کی آواز پر اس نے سر اٹھایا تو دادا اور تایا کھڑے اس کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی ان کے گلے جا لگی۔ دادا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "کیسی ہے میری بچی؟" تایا جان نے بھی مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "زاریہ تم نے وہ خواب پورا کیا ہے جس کی توقع میں نے اپنی اولاد سے لگائی تھی۔ اللہ تمہیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں کامیاب کرے آمین" وہ تایا اور دادا کی ان دن رات دعاؤں کی وجہ سے ہی آج اس مقام پر تھی۔ کچھ دیر کی مسافت کے بعد وہ گھر آ پہنچے تھے۔ زاریہ اندر گئی تو تائی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس کچھ پل کے لیے سوچا کہ تائی اندر ہو نگی۔ وہ کمرے کے سامنے سے گزری تو اندر تائی سو بیڈ پر لیٹی تھیں اور آنکھوں پر بازو رکھے تھے۔ وہ وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شازل گھر پر موجود نہیں تھا یہ جان کر اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ کچھ دیر لیٹی پھر اسے باہر سے آوازیں آنے لگیں۔ تائی تایا سے کچھ کہہ رہیں تھیں۔ "شازل آرہا ہے؟ پہلے وہ اس لڑکی کے لیے گھر چھوڑ کر چلا گیا اور میں اس کی ماں یہاں چار مہینے اس کی شکل دیکھنے کے لیے ترس گئی۔

آج جب اسے اس لڑکی کی واپسی کی خبر ملی تو وہ دوڑا چلا آ رہا ہے، پہلے اس گھر میں آپ اس کے کم حمایتی تھے جواب اس نے میرے بیٹے پر بھی جادو کر دیا ہے" زاریہ کو اب پتہ چلا تھا کہ شازل کیوں گھر پر نہیں تھا۔ اس شخص نے تائی اور تایا کے سامنے اس کا ذکر کر دیا تھا اور ان کے انکار کے بعد اب وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا اور چار مہینوں سے واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اب شازل کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ ہوتا کون تھا اس کے ساتھ زبردستی کرنے والا۔ اس نے دل ہی دل میں دعائیں کی کہ شازل کبھی اپنی چالوں میں کامیاب نہ ہو۔

اس کی آنکھ کھلی تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر باہر جانے لگی تو اسے باہر سے شازل کی آواز آئی۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا اور تائی اسے مل رہیں تھیں۔ زاریہ اندر ہی رکی رہی۔ کچھ دیر بعد اسے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی۔ غالباً اب وہ اوپر جا چکا تھا۔ زاریہ کو تسلی ہو گئی تو وہ باہر نکلی۔ کچن میں تائی کھڑی چائے بنا رہیں تھیں۔ وہ کچن میں آئی تو تائی کی ازلی بے رخی آج بھی ویسے ہی تھی۔ اس نے تائی کو سلام کیا تو تائی نے مختصر جواب دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ شازل کی ضد کی وجہ سے تائی اسے اب دیکھنا بھی نہیں چاہتیں تھیں انہیں لگتا تھا کہ زاریہ نے ان سے ان کا بیٹا چھینا ہے مگر کیا ہوے اا گر وہ زاریہ سے بھی اس کی مرضی پوچھ لیتیں۔ اہ ابھی سوچوں میں گم تھی کہ چائے ایک پرچ میں رکھ کر تائی نے اس کی طرف بڑھائی۔ "یہ ذرا شازل کے کمرے میں دے آؤ" اس نے چائے کے کپ کو اور تائی کو باری باری دیکھا تھا۔ وہ بھلا کیسے جاسکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی تائی نے بولی تھیں۔ "شازل نے کہا ہے کہ چائے اسے تم دینے جاؤ گی۔ اب جاؤ، کیسے کر لیا ہے میرے بیٹے کو قابو تم نے پہلے میرا شوہر تمہارے گن گانے والا کم تھا جو اب میرے بیٹے کو بھی مجھ سے دور کرنا چاہتی ہو تم۔ یاد رکھنا

تم کبھی کامیاب نہیں ہو گی اپنے اس مکار مقصد میں" یہ کہہ کر تائی کپ اسے تھماتی دوسرا چائے کا ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئیں۔ وہ مبہوت کھڑی چائے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اوپر گئی تو شازل کے کمرے کا دروازہ بند تھا سہ کچھ دیر باہر رکی پھر دروازہ آہستگی سے کھولا۔ تو شازل بیڈ پر لیٹا آنکھوں پر ہاتھ دیے ہوئے تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا۔ زاریہ کو سامنے آتا دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ فوراً ہی سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "زہے نصیب میڈم زاریہ آپ آ گئی ہیں آخر" زاریہ نے چائے سائڈ ٹیبل پر رکھی اور شازل کی بات کو اگنور کر کے واپس جانے لگی تو اس نے زاریہ کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے چھڑوانے کی کوشش کی تو شازل نے مزید زور سے جکڑ لیا اسر مروڑنے لگا۔ زاریہ نے ایک اس کی طرف رخ کیا۔ "میری بات آرام سے مان لو تو مجھے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرنی پڑے مگر تم تو ہمیشہ ساتویں آسمان پر رہتی ہو۔ کچھ عرصہ باہر پڑھنے کیا چلی گئی تم نے تو اپنے لیے پتہ نہیں کونسے خواب دیکھ لیے ہیں" زاریہ کا ہاتھ اب تک اس کی گرفت میں تھا۔ زاریہ پورے قد کے ساتھ اس کے سامنے ہمیشہ کی طرح کھڑی تھی۔ "شازل بھائی آپ جو بھی کر لیں میں کبھی بھی آپ سے شادی نہیں کروں گی۔ آپ نے شادی کی بات بھی کر لی اب تو آپ جان گئے کوئی بھی نہیں چاہتا کہ ہماری شادی ہو یہ صرف آپ چاہتے ہیں اور یہ کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں جو آپ آسانی سے حاصل کر لیں گے۔ آپ نے بچپن سے اپنی ہر خواہش پوری ہوتے دیکھی ہے۔ اب آپ کی خواہش کے مقابل میں ہوں اور میں اپنی زندگی کے ساتھ کسی کو کھیلنے کی اجازت نہیں دونگی۔ آپ کی زندگی کی شاید یہ پہلی خواہش ہو گی جو ادھوری رہے گی۔ یہ بات آپ یاد رکھیے گا" شازل کی گرگت سے اپنا ہاتھ اس نے نا جانے کب چھڑوایا اور باہر چلی گئی شازل کو پتہ نا چلا وہ وہیں کھڑا غصے سے کھول رہا تھا۔

آج اس کو گھر آئے چھٹہ دن ہو گیا تھا اور زندگی پہلے کی طرح اسی روٹین سے چل رہی تھی۔ وہ ظہر کی نماز پڑھ کر بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔ اس کا فون بجا تو اس نے سائڈ ٹیبل سے اٹھا کر سکرین کو دیکھا 'سارا کالنگ' اس نے فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف سے سارا نے گلوں کا دفتر کھول دیا۔ " اسلام و علیکم۔ زاریہ کیسی ہو؟ تم نے لاہور آنا ہے کل میں جانتی ہوں تمہیں پھر بھول گیا ہو گا ہے نا تم نے دادا سے لاہور کی بات ہی نہیں کی ہو گی۔ اور اب تم بہانے کرو گی کہ تم نہیں آ سکتی تو میں بتا رہی ہوں تم کل ہی آ رہی ہو" زاریہ نے خاموشی سے اس کی ساری بات سنی وہ جب سے گھر آئی تھی اس کی سارا سے بات نہیں ہوئی تھی اور پھر شازل والا معاملہ اس ساری ٹینشن میں وہ واقعی بھول گئی تھی کہ اسے لاہور جانا تھا سارا کے بھائی کی شادی کے لیے۔ "وعلیکم السلام سارا مجھے واقعی بھول چکا تھا یار شکر ہے تم نے فون کر کے یاد دہانی کروا دی۔ میں دادا سے اجازت لے لوں گی کل پھر تم نے مجھے ریسیو کرنا ہے" سارا اور زاریہ کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ پھر عصر کی نماز کے بعد وہ دادا کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وہ دادا کے لیے چائے بنا کر ان کے کمرے میں لے گئی تھی اور دادا اسے اخبار کی ہیڈ لائنز سنا رہے تھی ساتھ ہی وہ دونوں اس پر تبصرے بھی کر رہے تھے۔ تایا جان کمرے میں داخل ہوئے تو ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آج کافی عرصہ بعد وہ تینوں اس طرح بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد زاریہ نے دادا سے لاہور جانے کی بات کی۔ "اچھا شعیب کے بیٹے کی شادی ہے ماشاءاللہ۔ ہاں بیٹا تم ضرور جاؤ سارا تو بہت اچھی بیٹی ہے اس پر میں بھروسا کر سکتا ہوں تمہارے معاملے میں" زاریہ اور سارا کی دوستی کیونکہ بچپن سے ہی تھی اور سارا کے والد اور زاریہ کے تایا کی اکثر راہ چلتے ملاقات ہوتی تھی۔ کبھی کبھی وہ ان کے گھر بھی آتے تو دادا کی ان سے جان پہچان تھی۔ اب زاریہ نے ان کی شفٹنگ کا بتایا تو دادا اور تایا کو حیرت ہوئی۔ زاریہ کو جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہ کمرے میں آئی اور سارا کو ویڈیو کال پر کپڑے

دکھانے لگی جو اس نے شادی پر پہننے تھے۔ سارا کو ایک ایک سوٹ دکھاتی گئی اور سارا پسند کرتی گئی۔ کچھ دیر میں ہی پیکنگ مکمل ہو گئی تھی۔ اس نے آن لائن ٹکٹ بک کروائی۔ صبح کے ڈیپارچر کی آخری ٹائمنگ سات بجے تھی۔ اور ساڑھے چار گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ ساڑھے گیارہ وہاں پہنچے گی۔ اس نے سارا سے بوکنگ کروانے سے پہلے سارا سے پوچھا کہ کہیں وہ اس ٹائم مصروف نہ ہو۔

وہ ویٹنگ ایریا میں پہنچی ہی تھی کہ سارا سامنے کھڑی اس کا استقبال کر رہی تھی۔ "زاریہ تم جانتی بھی ہو کتنا یاد آ رہی تھی مجھے تم۔ ہم اتنے عرصے بعد مل رہے ہیں۔ میں تو بہت خوش ہوں کہ اب تم میرے پاس ایک ہفتہ رہو گی۔" زاریہ نے مسکرا کر اسے گلے لگایا تھا۔ "میں بھی بہت خوش یوں اور مبارک ہو بھائی کی شادی کی اور شفٹنگ کی بھی" سارا نے اس کا سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لیا اور خود چلانے لگی پھر ٹیکسی میں سارا کے گھر آنے تک وہ باتیں کرتی رہیں تھیں۔ گھر کے دروازے پر زاریہ ہچکچائی تو سارا نے اسے تسلی دی۔ "کوئی نہیں ہے گھر پر تایا بزنس ٹرپ پر گئے ہیں تائی اپنے میکے ہیں بابا بھی آفس ہیں۔ گھر پر صرف میری امی ہیں ان سے تو تم کئی بار ملی ہو کم آن" سارا اور زاریہ کی دوستی بہت گہری تھی ان کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اب بھی سارا نے زاریہ کی پریشانی کی وجہ جان لی تھی۔ وہ اجنبی لوگوں سے تعارف کروانے میں ہچکچاتی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئیں تو حال خالی تھا۔ ایک طرف دو کمرے تھے اور ان کے ساتھ سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ دوسری طرف تین کمرے تھے۔ حال کے آخر میں کچن تھا۔ وہاں کوئی کھڑا تھا۔ وہ سارا کی امی تھیں۔ سارا کو دیکھ کر وہ باہر آئیں تو زاریہ نے انہیں سلام کیا۔ وہ زاریہ کو دعائیں دینے لگیں۔ کچھ دیر حال میں سارا اور اس کی امی کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد سارا اسے کمرے میں لے آئی۔ "یہ رہا ہمارا کمرہ۔" زاریہ اس کی بات

پر ہنسی تو سارا نے اسے تند ہی سے دیکھا بھلا وہ ہنس کیوں رہی تھی۔ "تم ہمارا کمرہ ایسے کہہ رہی ہو جیسے میرا ہمیشہ یہیں رہنے کا ارادہ ہو" سارا آگے بڑھ کر بیڈ پر بیٹھی ساتھ ہی اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زاریہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ "ویسے واقعی کاش تم میری بہن ہوتی تو ہمارا ایسے ایک کمرہ ہوتا اتنا مزہ آتا" سارا نے اداسی سے کہا۔ پھر سارا اسے اب تک کی کی گئی شاپنگ دکھانے لگی۔ "اب باقی چیزیں ہم دونوں نے لینی ہیں۔ اور پرسوں بھابھی کے گھر جانا ہے انہیں پک کرنا ہے پھر ان کی شاپنگ کرنی ہے" سارا اسے اگلا لائحہ عمل مزے سے بتا رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے زاریہ کو اپنے گھر کا فرد مانتی تھی اور اب بھی وہ اسے فرد سمجھ کر شامل کر رہی تھی۔ زاریہ کو اچانک ہی ایشل یاد آئی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی جب وہ ایشل کے ساتھ ہوتی تھی تو اسے سارا یاد آتی تھی اب وہ سارا کے ساتھ ہے تو اسے ایشل یاد آتی ہے۔ اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ پھر سارا کی امی کے ساتھ کھانے کی میز پر چند باتیں ہوئیں اور پھر زاریہ اور سارا کمرے میں آئیں تو سارا نے اسے آرام کرنے کا کہا۔ عصر کی نماز پڑھ کر سارا کے ساتھ بیٹھی لسٹ بنانے لگی۔ اس رات سارا اور وہ باتیں کرتی رہیں اور پھر آخری پہر میں سوئیں۔ اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پر سارا کے تایا تائی اور بابا سے ملاقات ہوئی۔ دو دن اس کے ایسے ہی سارا کے ساتھ گھر پر گزرے۔ آج اس کا تیسرا دن تھا شادی شروع ہونے میں میں دو دن رہتے تھے۔ آج سارا کی ہونے والی بھابھی کے ساتھ انہیں شاپنگ کرنی تھی۔ زاریہ نے نیلے رنگ کا فراک پہنا تھا اور ہم رنگ دوپٹہ گلے میں ڈالا تھا۔ بالوں کو سیدھا دونوں طرف ڈالے وہ دھلے ہوئے چہرے کے ساتھ بغیر کسی میک اپ کے بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

سارا کی بھابھی کا گھر سارا کے گھر سے مختلف نہیں تھا۔ ویسے ہی کمرے اور اوپر جاتی سیڑھیاں۔ حال کا بھی تقریباً وہی نقشہ تھا۔ ایک عمر کی عورت تقریباً پینتالیس یا کچھ زیادہ کی تھی حال میں سارااور زاریہ کے پاس آئی۔ اس کے تعارف سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی کی ماں ہے۔ اس نے انہیں چائے اور نا جانے کیا کیا کھانے کی چیزیں پیش کیں۔ مگر سارااور زاریہ نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ کچھ دیر بعد ایک خوبصورت سی نازک خدوخال کی لڑکی گھنگریالے بال جو آدھی کمر تک آتے تھے کھلے تھے اور کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنے دوپٹہ ایک کندھے پر ڈالے ان کی طرف آرہی تھی۔ وہ خوبصورت سی لڑکی رانیہ تھی سارا کی ہونے والی بھابھی۔ اس نے انہیں سلام کیا سارا نے زاریہ کا تعارف کروایا تو اس نے زاریہ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ کچھ ہی دیر لگی تھی اور وہ تینوں ایسے گھل مل گئیں تھیں کہ اگر کوئی باہر سے اکر انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ تینوں بچپن سے ملتی رہتی ہوں۔ زاریہ کو سارا کی بھابھی کی نیچر بہت پسند آئی تھی۔ زاریہ کو اب تسلی تھی کہ اگر وہ واپس جائے گی تو کم از کم سارااکیلی یا بور نہیں ہو گی۔ انہوں نے پہلے پیکیجز مال اور پھر اینپوریم سے شاپنگ کی اس کے بعد سارا انہیں زبردستی امیوزمنٹ پارک لے گئی۔ جب انہوں نے رانیہ کو ڈروپ کیا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ زاریہ اور سارا گھر تھکی ہاری پہنچیں تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کمرے میں آگئیں۔ سارا تو جلد ہی سو گئی مگر زاریہ کو نیند نہیں آرہی تھی اس کے دل میں عجیب بے چینی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیوں بے چین ہے حالانکہ یہاں سارا کے ساتھ وہ خوشگوار وقت گزار رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی پھر بہت دیر تک اللہ سے سکون کی دعائیں کرتی رہی۔ آیت الکرسی پڑھ کر اس نے چاروں طرف پھونک ماری اور پھر لیٹ گئی۔

شام کے چھ بجے تھے اور اس وقت شادی ہال میں پہنچنا تھا جہاں مہندی کا فنکشن تھا۔ زاریہ پیلے اور گلابی رنگ کے فراک میں بالوں کو کرل کیئے کھلے رکھے ہوئے تھی۔ میک اپ کے نام پر بلش آن اور گلابی لپس اسٹک لگائی تھی۔ آئی لائنر اور مسکارا سارا نے زبردستی اسے لگایا تھا۔ اس کی ایمرالڈ آئیز اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہیں تھیں۔ وہ ہال میں رانیہ کے ساتھ اس کا لہنگا اٹھائے اندر آئیں اور سٹیج پر اسے بٹھایا۔ رانیہ بھی اب ان سے مانوس ہو چکی تھی۔ وہ زاریہ کی بار بار تعریف کر رہی تھی۔ سارا اور زاریہ سٹیج پر رانیہ کے ساتھ موجود تھیں جب سارا نے زاریہ کو ایک طرف اشارہ کر کے کچھ دکھایا۔ وہ دو لوگ تھے۔ ہال میں جہاں صرف لڑکیاں اور خواتین تھیں ایسے میں وہ دو لڑکے سب میں واضح تھے۔ ایک نے سفید کرتے اور دوسرے نے کالے رنگ کا کرتا پہنا ہوا تھا۔ زاریہ کی نظر کالے کرتے والے پر پڑی جو اسے لگا جیسے وہ اسے پہلے بھی ملی ہو مگر کیونکہ وہ اس کی شکل نہیں دیکھ پا رہی تھی تو پہچان نہیں ہوئی۔ ان کی اس طرف کمر تھی اور وہ سامنے کسی سے بات کر رہے تھے۔ وہ شاید کوئی فیملی تھی جس میں ایک ادھیڑ عمر شخص تھا جو اپنی فیملی کے ساتھ وہاں تھا۔ "آؤ زرا دیکھیں تو یہ کون حضرات ہیں جو لڑکیوں کے فنکشن میں گھس رہے ہیں" زاریہ نے سارا کو روکنا چاہا مگر وہ پہلے ہی زاریہ کو ساتھ لیے آگے بڑھ چکی تھی۔ اور عین ان کے پیچھے پہنچ کر سارا نے سفید کرتے والے کو ہلکا سا ہاتھ لگا کر ایکسکیوز کیا تو وہ پیچھے مڑا ساتھ ہی دوسرا لڑکا بھی پیچھے مڑا۔ آپ کون ہیں اقر یہاں کیا کر رہے ہیں؟" سارا نے کہا تو سامنے کھڑے شخص مسکرایا۔ "میں آپکی بھابھی کا بھائی ہوں حمزہ" سارا کو اپنی بے وقوفی پر افسوس ہوا اس نے معزرت کی۔ زاریہ برف کا بت بنی سامنے کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ سامنے کھڑے اس شخص کی شہد رنگ آنکھوں میں بھی حیرت دری تھی۔ "آپ" دونوں نے ایک ساتھ کہا تھا۔ سارا اور حمزہ نے ان دونوں کو دیکھا۔ "تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" سارا اور حمزہ دونوں نے ہی پوچھا

تھا۔ "ہاں" "نہیں" دونوں نے بیک وقت کہا تھا۔ فرہاد نے بے یقینی سے زاریہ کو دیکھا تھا۔ ساتھ ہی سارا نے بھی زاریہ کو گھورا تھا۔ "میرا مطلب ہے ہاں مگر اتنے اچھے سے نہیں جانتے ہیں" فرہاد اس کی بات پر سر جھکا کر مسکرایا تھا۔ "جی میں ان کے ساتھ سوئٹزرلینڈ میں تھا" سارا نے دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ "آپ دو منٹ میرے ساتھ آئیں گی مجھے کچھ کام ہے" حمزہ نے سارا سے کہا تھا۔ سارا اور حمزہ اب وہاں سے جا چکے تھے۔ "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" زاریہ نے حیرانی پوچھا تھا۔ "میں یہاں اس لیے ہوں کے غالباً یہ میرے خاندان کی شادی ہے اور انتظامات دیکھ رہا ہوں" زاریہ نے اس بار پہلے سے زیادہ حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ "خاندان؟" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھی تو مسکرا دیا۔ "جی رانیہ میری خالہ کی بیٹی ہے" زاریہ کے ہونٹ اوہ میں سکڑے تھے۔ "اب کیا میں اپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ اپ یہاں کیا کر رہیں ہیں؟" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ تو سادگی میں بھی اتنی خوبصورت لگتی تھی اور پھر آج تو وہ تیار ہوئی تھی۔ فرہاد اس کی آنکھوں کو دیکھ کر با مشکل سانس لے پا رہا تھا۔ "سارا کے بھائی کی شادی ہے میں سارا کے بچپن کی دوست ہوں۔۔ میرا مطلب ہے سارا میری بچپن کی دوست ہے" نا جانے کیوں آج فرہاد کو ایسے اپنے سامنے دیکھ کر اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ سے آج بہت مختلف لگا تھا۔ وہ اس کو کرتا پہنے دیکھا تھا۔ اس کے ماتھے پر بکھرے بال اور شہد رنگ مسکراتی آنکھیں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ "اس کا ایک ہی مطلب ہے مس زاریہ" اس نے اپنی بے وقوفی پر خود کو کوسا تھا۔ فرہاد ہنسی چھپانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھا تھا مگر زاریہ نے اسے دیکھ لیا تھا۔ "آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟" فرہاد نے فوراً سے منہ سے ہاتھ ہٹا کر سنجیدگی سے زاریہ کو دیکھا تھا۔ "ن۔۔ نہیں تو مجھے بس ایسے ہی کچھ یاد آ گیا تھا۔ ویسے آپ آج پیاری لگ رہیں ہیں" زاریہ کو لگا تھا اس کا دل ایک پل کے لیے دھڑکنا بھول گیا ہو۔ "یہ تو میں بھی جانتی ہوں" زاریہ نے کچھ لمحے بعد سمبھل

کر بے نیازی سے کہا تھا۔ "ویسے اتنا غرور بھی نہیں ہونا چاہیے مانا کہ آپکی یہ آنکھیں تھوڑی سی خوبصورت ہیں" اور اس نے انجانے میں زاریہ کے دل کی تاریں چھیڑ دیں تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سارا وہاں آ پہنچی تھی۔ "زاریہ جلدی کرو رسم کرنی ہے رانیہ کب سے انتظار کر رہی ہے" فرہاد نے ان سے اجازت مانگی اور زاریہ سارا کے ساتھ واپس آ گئی۔ مہندی کی رسومات ادا ہوئیں۔ وہ تقریباً گیارہ بجے فارغ ہوئیں تھیں۔

اگلے دن بارات کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ کہیں مٹھائی کے ڈبے آ رہے تھے اور کہیں لڑکی کے لیے گفٹ تیار ہو رہے تھے۔ سارا آج بہت ہی خوش نظر آ رہی تھی۔ کپڑے الماری سے نکالے وہ زاریہ سے باتیں کر رہی تھی اور زاریہ مسکرا کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔ "پتہ ہے زاریہ میں تو یہ سوچ کر اداس ہو جاتی تھی کہ جب تم واپس چلی جاؤ گی پھر سے وہی بورنگ روٹین ہو جائے گی۔ مگر اب رانیہ بھابھی سے مل کر میں اتنی خوش ہوں۔ میرا دل کرتا ہے میں ابھی انہیں رخصت کر کے لے آؤں۔ شام کا انتظار ہی نہ کروں" زاریہ نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔ "حوصلہ کرو میری بہن رانیہ کی شادی تم سے نہیں تمہارے بھائی سے ہو رہی ہے" اس کی بات پر سارا کو بھی ہنسی آئی۔ "پتہ نہیں رانیہ بھابھی میرے کھڑوس بھائی کے ساتھ کیسے گزارا کریں گی۔ وہ تو دن رات بس کام کے بارے میں ہی سوچتے رہتے ہیں" زاریہ نے اس کو کہنی ماری۔ "اس لیے تم ہو نہ انہیں بور نہ ہونے دینا کمپنی دینا" وہ بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ شام کو سارا کی امی کمرے میں آئیں تو ان دونوں کو ویسے ہی بیٹھیں تھی۔ "تم لوگ تیار نہیں ہوئی" سارا بیڈ سے کھڑی ہو کر الماری تک گئی اور ہینگ کیے ہوئے کپڑے نکالنے لگی۔ "امی بس ابھی شروع کر رہے ہیں تیاری" سارا اب سوٹ بیڈ پر رکھ رہی تھی۔ "تم لوگ پہلے ایک کام

کرو۔ ابھی تیار مت ہو وہ حمزہ آیا تگا تھا وہ کہہ رہا تھا وہ رانیہ کو پارلر ڈراپ کر آیا تھا مگر وہ اسے واپسی پر نہیں لے سکے گا مصروف ہے تو رم لوگ جاؤ سارا اور اسے گھر دھیان سے ڈراپ کر دو پھر واپس آ کر تیار ہو لینا" سارا کو تو رانیہ سے ملنے کی خوشی ہی الگ تھی۔ سارا کو ڈرائونگ کا بچپن سے ہی شوق تھا اور ایف ایس سی کرنے کے بعد اس نے ایک سال میں ڈرائونگ سیکھی تھی۔ اب سعد (سارا کا بھائی) کی پروموشن پر اسے گاڑی ملی تھی۔ سعد اور اس کے بابا ایک گاڑی پر جاتے تھے جبکہ یہ گاڑی زیادہ تر سارا کے استعمال میں تھی۔ وہ دونوں پارلر پہنچیں تو بیوٹیشن رانیہ کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ رانیہ گہرے لال رنگ کے لہنگے کے ساتھ گولڈن بندیا اور کانوں میں گولڈن بالیاں ڈالے اپنے پرس پر دونوں ہاتھ جمائے شیشے میں مسکرا رہی تھی۔ اسکا میک اپ دلہن کے حساب سے ہلکا تھا مگر اسکی نکھری رنگت کے ساتھ بچ رہا تھا۔ اس نے آئینے کے عکس میں سارا اور زاریہ کو دیکھا تو حیرت سے آنکھیں پھیل گئی۔ سارا اور زاریہ آگے آئیں تو اس نے رخ ہلکا سا ان کی طرف کیا۔ "تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟" سارا نے مسکرا کر وجہ بتائی تو وہ کچھ پریشان ہوئی۔ "کیا مطلب بھائی نہیں آئے انہوں نے تو میرے سنگھار کے پیسے دینے تھے" سارا اور زاریہ نے بھی ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھا۔ "ابھی تو میرے پاس بھی بیگ نہیں ہے اور زاریہ بھی ایسے ہی آئی ہے" سارا کاؤنٹر پر چلی گئی اور ان سے اس بارے میں بات کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد سارا ان کے پاس آ گئی۔ "وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ رات کو دس بجے سے پہلے ہی دے جائیں اس کے بعد انکا پارلر بند ہو جاتا ہے اور کل سے کسی وجہ سے ایک ہفتے کی چھٹی ہے۔ انہوں نے کچھ علامت کے طور پر چھوڑ جانے کو کہا ہے تا کہ ہم پیسے دیے بغیر نہ چلے جائیں تو میں نے ان کے پاس اپنا شناختی کارڈ رکھوایا ہے میرے فون کے کور میں اس وقت وہی تھا بس۔" رانیہ نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے رانیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

سات بجے تھے جب ان کی گاڑی شادی ہال کے سامنے رکی تھی۔ وہ لوگ اب اندر گئے تو لڑکی والے ان پر پھول کی پتیاں پھینک کر ان کا اسقبال کر رہے تھے۔ رانیہ سٹیج پر مشرقی دلہنوں کی طرح نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ ساتھ ہی اس کی امی بیٹھی تھی جو ان کے آنے پر سٹیج سے نیچے اتر انکا استقبال کر رہیں تھیں۔ رانیہ کے بابا اور شعیب صاحب الگ کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ زاریہ اور سارا رانیہ کے پاس اوپر سٹیج پر جا کر بیٹھی۔ "رانیہ کہیں بھائی کو یہاں نہ دیکھ کر تم پریشان تو نہیں ہوا گر ہو تو میں بتا دوں بھائی بس آتے ہی ہونگے۔" رانیہ سارا کی بات سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ وہ سٹیج پر کافی دیر بیٹھی اسی طرح سرگوشیاں کرتی رہیں۔ کچھ دیر بعد مرد آنا شروع ہوئے تو ان میں سعد شعیب صاحب اور رانیہ کے بابا تھے ان کے پیچھے نکاح خواں تھا۔ زاریہ کی نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھی مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ اب سٹیج سے نیچے آ گئ تھیں اور سٹیج پر نکاح خواں اب نکاح کے کلمات کہہ رہا تھا۔ زاریہ نے دیکھا تو حمزہ بھی موجود تھا مگر وہ نہیں آیا تھا۔ زاریہ کے دل میں اسے نہ دیکھ کر ایک عجیب سی بے چینی ہوئی تھی۔ اسے لگا تھا وہ اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکے گی۔ نکاح ہو گیا تھا اب دونوں طرف سے مبارکباد پیش کی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اب مرد واپس جا چکے تھے۔ سٹیج پر سعد اور رانیہ ایک ساتھ اب بیوی اور شوہر کی حیثیت سے بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے چہرے کھلے کھلے لگ رہے تھے۔ زاریہ نے شاید ان دونوں کی شکل میں یہ پہلا مکمل رشتہ دیکھا تھا۔ وہ ان دونوں کی خوشیوں بھری زندگی کی دل سے خواہاں تھی۔ ان دونوں کو مکمل دیکھ کر اس کی انکھیں بھر آئیں تھیں۔ ورنہ اس نے اپنے گھر میں ہمیشہ رشتے ٹوٹنا اور ان کا دور جانا ہی دیکھا تھا۔ "زاریہ یار ساڑھے نو ہو رہی ہے چلو ہم پہلے جا کر بیوٹی پارلر میں پیسے سے آتے ہیں۔" زاریہ نے جلدی سے آنکھیں صاف کر کے سارا کو دیکھا۔ "ک۔۔ کیا اوہ ہاں میں بیگ لے کر آتی ہوں" وہ سیٹ سے بیگ اٹھا کر حلیہ درست کرتی باہر آئی تو سارا گاڑی میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ لوگ بیوٹی پارلر کے گیٹ پر پہنچے تو سارا گاڑی کا دروازہ کھولے باہر نکلنے لگی پھر رک کر زاریہ کی طرف مڑی۔ "زاریہ دو منٹ کا کام ہے میں بس ابھی پیسے دے کر آتی ہوں تم گاڑی میں ہی رہو" سارا کہہ کر باہر نکل گئی۔ زاریہ نے اسے پارلر کا دروازہ کھولے اندر جاتے دیکھا پھر ایک گہرا سانس لے کر اس نے اپنا فون نکال کر استمال کرنے لگی۔ اچانک اس کی ونڈو پر کسی نے نوک کیا اس کو لگا سارا ہے اس نے شیشہ نیچے کیا تو پستول کی ٹھنڈی نال اس کی کنپٹی پر رکھی گئی۔ زاریہ کی خوف کے عالم میں آنکھیں پھیلیں۔ وہ کالے ماسک اور سر پر ترچھی پی کیپ لیے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر زاریہ کا فون لے لیا۔ پھر گن پوائنٹ پر زاریہ کو باہر آنے کا کہا زاریہ نے اسے منتیں کی کہ وہ جو چاہتا ہے لے لے مگر وہ آدمی نہ مانا۔ زاریہ باہر آئی تو اس نے زاریہ کے منہ پر موٹی ٹیپ لگائی۔ اس کے ہاتھ پیچھے اس کی کمر پر رسی سے باندھے اور زبردستی اسے گھسیٹتا ہوا تھوڑا آگے لے گیا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ سٹریٹ لائٹ بھی نہیں تھی۔ ایک کالا سا ہیولا تھا۔ قریب جانے پر پتہ چلا کہ وہ ایک وین ہے اس نے زاریہ کو اس وین کی پچھلی سیٹوں پر دھکیل کر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ اب وہ فون نکالے کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ جبکہ زاریہ پیچھے بندھی ہوئی چیخنا چلانا چاہ رہی تھی مگر سوائے خاموش آنسو بہانے کے وہ کچھ نہ کر سکی تھی۔ اس نے دل میں آیت الکرسی اور ساری دعائیں جو دادا نے اسے بچپن سے یاد کروائیں تھیں وہ دل ہی دل میں دہرانے لگی۔ "کام ہو گیا ہے سر" اس شخص نے اپنی بھدی آواز میں فون پر کہا تھا۔ زاریہ جاننا چاہتی تھی کہ اسے کس نے اور کیوں اغوا کروایا تھا وہ بھی تب جب وہ گھر سے دور تھی۔ یا اللہ اگر اس کے گھر اطلاع پہنچ گئی تو کیا ہو گا۔ دادا اور تایا نے بہت پریشان ہو جانا ہے۔ وین اب کسی سنسان راستے پر چل رہی تھی اور راستے میں کہیں بھی کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ پورا راستہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ زاریہ کو اس اندھیرے سے وحشت ہونے لگی تھی۔

لاؤنج کی ایک ہی لائٹ آن تھی وہ صوفے پر بیٹھا پاؤں ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ کھولے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ حمزہ اندر آیا تو اس دیکھ کر مسکرایا۔ "فرہاد کیا ہو جاتا جو کچھ دیر کے لیے میری بہن کے نکاح میں آجاتے تو" فرہاد نے نظریں لیپ ٹاپ پر ہی رکھیں۔ "بھائی آپ کی بہن میری بھی بہن ہے مگر واقعی آج بہت امپورٹینٹ پراجیکٹ سینڈ کرنا تھا یہ پراجیکٹ کامیاب ہو گیا تو میری پروموشن یقینی ہے" حمزہ گاڑی کی چابی میز پر رکھے اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔ " ٹھیک ہے بیٹا اس بار معاف کر رہا ہوں اگلی بار کوئی گنجائش نہیں ہے" فرہاد نے حمزہ کے کندھے پر بازو رکھا۔ "ہاں اگلی بار کیسے گنجائش پیدا ہو گی اگلی تو آپ کی باری ہے نا۔ ویسے آپ کو سارا کیسی لگتی ہے؟ " فرہاد نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو حمزہ سر جھکائے مسکرا دیا۔ "ارے میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا آپ تو شرمانے ہی لگے" حمزہ نے اس کے کندھے پر مکا مارا۔ "تم میری چھوڑو وہ سبز آنکھوں والی پیاری سی لڑکی کا بتاؤ کیا سین ہے پسند کرتے ہو اسے۔ ویسے میں نے اسے اپروو کر دیا ہے تمہارے لیے" اس بار مسکرانے کی باری فرہاد کی تھی۔ "دیکھا میں جانتا تھا۔ اب اسے زیادہ انتظار مت کروانا" ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ فرہاد کو کال آئی اس نے فون اٹھایا اور دوسری طرف کی بات زنتے ہی اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں تھیں۔ وہ ایک جھٹکے میں کھڑا ہوا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا۔ "فرہاد بتاؤ تو ہوا کیا ہے" حمزہ اس کے پیچھے چلتا گاڑی کے پاس جا کر بولا تھا۔ "ب۔۔ بھائی۔۔ وہ ز۔۔ زاریہ کو کسی نے اغوا کیا ہے" حمزہ نے بھی اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔ وہ دونوں پولیس میں رپورٹ درج کروانے گ ئے َور اس کے بعد سارا کے گھر گ ئے تو اس کے گھر میں سب ہ ء پریشان کھڑے تھے۔ رانیہ اب تک انہیں دلہن والے کپڑوں میں تھی۔ دارا ادھر ادھر ٹہلتی رو رہی تھی۔ حمزہ اور فرہاد کے پوچھنے پر اس نے جو کچھ ہوا تھا وہ انہیں من و عن بتایا۔ فرہاد کو لگا تھا وہ اسے ہمیشہ کے لیے کھو دے گا۔ پھر اس کے ذہن کے ٹانکے جڑنا شروع

ہوئے۔ اس نے وہ ای میل ساری معلومات جو اس نے اب تک جمع کی تھی ان کو نکالا۔ سارا سے ڈائری مانگ کر وہ اب اس پر وہ سب لکھ دہا تھا۔ وہ جانتا تھا اس وقت زاریہ کو کہاں رکھا گیا تھا۔

چاروں طرف اندھیرا تھا۔ اسے کہیں راستہ نظر نہ آیا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ دانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ تبھی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے پڑے تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ سامنے ایک ہیولا سا کھڑا تھا۔ اس نے جھک کر سوکھی روٹی اور دال کا برتن اس کے سامنے رکھا اور ساتھ ہی پانی کا گلاس رکھ کر وہ چلا گیا۔ اندر ایک بار پھر گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئیں تھیں جو صرف اتنی لمبی تھیں کہ اکا ہاتھ آگے کھانے تک پہنچ سکے۔ یہ عمل اس کے ساتھ آج تیسری بار دہرایا گیا تھا۔ غالباً آج اسکا اس کوٹھڑی میں تیسرا دن تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہاں دن یا رات کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ ایک شخص آتا اس کو کھانا دے جاتا جو ویسے ہی پڑا رہتا تھا۔ وہ ایک لقمہ نہیں کھاتی تھی۔ اور پھر وہ اسے اکرا ایستھیٹک انجیکشن لگا جاتا تھا جس سے وہ کئی گھنٹے بے ہوش رہتی تھی۔ آج اس کو شدید پیاس لگ رہی تھی اس نے پانی کا گلاس اٹھایا مگر وہ اس کی حلق میں زہر کی مانند الٹ رہا تھا۔ اس نے گلاس واپس رکھ دیا۔ اور ایک بار پھر خاموش آنسو بہانے لگی۔ کون تھا جس نے اس جے ساتھ ایسا کیا تھا۔ اس کو اچانک شازل کی باتیں یاد آئیں تھیں۔ کیا سے شازل نے اغوا کیا تھا۔ تاکہ وہ اس سے زبردستی نکاح کر سکے۔ ہاں یہ شازل ہی ہو گا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ یا اللہ آپ میری مدد کریں۔ پلیز یا اللہ کسی کو بھیج دیں۔ یا اللہ۔ آنسو متورم دونوں آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ آج انیستھیٹک انجیکشن لگانے کوئی نہیں آیا تھا۔ کیا وہ بھول گ ئے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں چاہا تھا کہ وہ نہ آئیں۔ تبھی اسے باہر سے کچھ لوگوں کی باتوں کی آوازیں آنے لگیں مگر وہ مدھم

تھیں اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ تبھی اسے دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ زاریہ نے آنکھیں فوراً بند کر دیں اور گردن ایک طرف اس انداز سے ڈھلکائی کہ سامنے والے شخص کو لگے کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ اسے اب اداکاری کرنی تھی اور وہی اسے اس کے مقابل کے جال سے نکال سکتی تھی۔ دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ زاریہ اسی طرح آنکھیں بند رکھے پڑی رہی۔ "ہاں اب وقت آگیا ہے۔ اس کو وہ فائل دینا اور سائن کروا کر میرے دفتر دے جانا" یہ آواز زاریہ جانتی تھی۔ یی آواز جو اس نے بہت کم سنی تھی مگر بچپن سے وہ اسے جانتی تھی۔ زاریہ نے تھوڑی سی انکھیں کھولیں تو وہاں دو شخص کھڑے بات کر رہے تھے۔ ایک کا نیم رخ زاریہ کے سامنے تھا۔ اس نے وہ دیکھا تو اسے لگا تھا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہو۔ وہ اس شخص کو جانتی تھی۔ وہ شخص حیات عالم تھا۔ وہ شخص زاریہ کا سگا باپ تھا۔ زاریہ جانتی تھی کہ وہ شخص اس سے اور اس کی ماں سے نفرت کرتا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شخص ان سے اتنی نفرت کرتا تھا۔ اب وہ شخص اس کی طرف مڑنے لگا تو فوراً اس نے آنکھیں موند لیں۔ تبھی اس کے منہ پر دوبارہ پانی پھینجا گیا۔ اس نے احتیاط سے آنکھیں کھولیں تو اب حیات عالم وہاں سے جا چکا تھا اور وہ آدمی اس کے سامنے کاغذات رکھے پین دے رہا تھا۔ "ادھر سائن کرو جلدی کوئی ہوشیاری نہیں چلے گی" اس نے اپنی بھدی آعاز میں کہا تھا۔ زاریہ نے فائل پر موجود چند سطور پڑھیں تو حیرت میں مبتلا ہوئی۔ یہ کچھ فیکٹریوں کے کاغذات تھے جو اس کی ماں کے نام تھے اور آخر میں وہ انہوں نے زاریہ کے نام لگائے تھے۔ اس کے باپ نے ان فیکٹریوں کے لالچ میں یہ سب کروایا تھا۔ اپنی ہی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔ اس نے ادھر نظریں پھیر کر دیکھا تو یہ جگہ اسے جانی پہچانی لگی تھی۔ آج وہ پہلی بار اس جگہ جو دیکھ رہی تھی ورنہ یہاں ہر وقت اندھیرا ہوتا تھا۔ تبھی اس کے دماغ میں جھماکہ ہوا تھا۔ ساری کڑیاں ملنے لگیں تھیں۔ وہ ای میل پر بھیجی گئی تصاویر، وہ

لاشوں کی تصویریں اسی جگہ لیں گئیں تھیں۔ وہ سٹاکر اس کے باپ نے اس کے پیچھے لگایا تھا۔ اور فرہاد نے اسے اس کارخانے کا بتایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کی ماں کے حادثے کا تعلق اسی کارخانے سے ہے۔ یعنی اس کی ماں جا قاتل بھی حیات عالم تھا۔ اسے گھن آنے لگی تھی اس شخص کے نام پر۔ کیا کوئی شوہر اور باپ اتنا بھی گر سکتا تھا۔ لالچ کی اس حد تک کی وہ اغوا اور قتل پر آجائے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ "کیا کر رہی ہے لڑکی سائن کر جلدی ادھر" اس نے آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور پین سائن کی جگہ پر رکھا۔ اچانک باہر سے سائرن کی آوازیں سنائیں دیں تھیں۔ بہت سے سائرن ایک ساتھ بجے تھے۔ ایک آدمی بھاگ کر اندر آیا تھا۔ "باہر پولیس نے کارخانے کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے" زاریہ نے شکر کا سانس لیا تھا۔ تبھی پولیس دروازہ توڑ کے اندر آئی اور ان دونوں کو پکڑ لیا۔ اسی وقت اس کی نظر اس شخص پر پڑی وہ آنکھوں میں بے چینی لیے بھاگ کر آرہا تھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں اب ایمر الڈ آئیز کو ڈھونڈ رہیں تھیں۔ تبھی اسے وہ اا کمرے میں نظر آئی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے ساتھ جھک کر بیٹھا اور اس کا سر فوراً اپنے سینے سے لگا لیا۔ ایک پولیس والے نے اس کے ہاتھ اور پاؤں ان بیڑیوں سے آزاد کروا دیے تھے۔ وہ اب وہیں بیٹھی فرہاد کے سینے سے سر لگائے رو رہی تھی۔ "آئم سوری آئم ریئلی سوری میں نے آنے میں دیر کر دی" زاریہ نے اس کی آواز میں تڑپ دیکھی تھی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کے سینے پر سر رکھے وہ اس کے تیز دھڑکتے دل کو سن سکتی تھی۔ "ف۔۔ فرہاد۔۔۔ میں جانتی تھی تم ضرور آؤ گے" فرہاد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے بہلایا تھا۔ "بس میں آگیا ہوں۔ اب تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکے گا" زاریہ نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اوپر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ بھی اسے دیکھنے لگا۔ "فرہاد تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے نہ" اس نے بچوں کے سے انداز میں کہا تھا مگر اسے یہ خوف تھا کہ جو اس کو ہر تکلیف سے

بچانا چاہتا ہے وہ ہمیشہ اس سے دور چلا جاتا تھا۔ جیسے اس کی ماں اس پر جان نچھاور کرتے ہوئے خود اس سے دور چلی گئیں تھیں۔ "میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں" اس کے اس طرح اعتراف پر زاریہ کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ "فرہاد مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ دو سال پہلے جب ایئر پورٹ پر میں نے تم سے مدد مانگی تھی مجھے تم سے اسی دن سے محبت ہو گئی تھی" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر مسکرا دیا۔ "لیکن میری محبت تمہاری محبت سے جیت گئی ہے مس زاریہ آپ ہار گئیں ہیں" زاریہ نے جھنجھلا کر اسے دیکھا تھا۔ "کیا مطلب" فرہاد نے اس کے چہرے پر بار بار آتی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑسا پھر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ "آپ نے مجھ سے دو سالوں سے محبت کی ہے لیکن میں نے آپ سے سولہ سالوں سے محبت کی ہے میری محبت کا عرصہ تویل ہے" زاریہ اس کو نا سمجھی سے دیکھا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس کو مجھ سے سالہ سال پہلے محبت ہوئی تھی؟ اس نے سوچا تھا۔ مگر اس کت کچھ پوچھنے سے پہلے ہی فرہاد نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کے دونوں کندھوں پر ڈالی۔ "چلیں گھر چلیں سب پریشان ہو رہے ہیں" اس نے زاریہ کو ہاتھ کے سہارے سے کھڑا کیا اور گاڑی تک لے گیا۔ پیچھے شام کا سورج اب غروب ہو رہا تھا۔

فرہاد نے سارا کے گھر کے باہر گاڑی روکی۔ زاریہ اندر جانے سے گھبرا رہی تھی تو فرہاد نے اس کا کندھا تھپتھپا کر اسے تسلی دی۔ وہ فرہاد کے پیچھے اندر آئی تو وہاں بہت سے لوگ تھے۔ سارا سب سے پہلے اس کی طرف بڑھی اور اسے گلے سے لگا لیا۔ سارا اس کے کندھے پر سر رکھے رونے لگی تھی۔ "زاریہ تم آ گئی ہو تم ٹھیک ہو نا مجھے معاف کر دو زاریہ مجھے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا" اس نے سارا کع تسلی دی کہ وہ بلکل ٹھیک ہے۔ سارا کے پیچھے اسے دادا اور تایا نظر آئے۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا اور

پھر لپک کر ان کی طرف بڑھی۔ "دادا تایا آپ یہاں کیسے؟" اس نے کہا تو دادا نے اسے سینے لگا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "وہ انہیں میں نے بتایا تھا۔ میں اتنی پریشان تھی وہ تمہارے نمبر پر کالز کر رہے تھے کب نمبر مسلسل بند ملا تو انھوں نے مجھے کال کی مگر میں نے بتایا تھا کہ فرہاد تمہیں لینے جا رہا ہے پولیس کے ساتھ" سارا نے زاریہ کو بتایا تھا۔ "میری بیٹی مجھے معاف کر دو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا بیٹا اس حد تک گر سکتا ہے۔ میں تم سے شرمندہ ہوں میری بچی" اس نے دادا کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور سر نفی میں ہلایا۔ "دادا آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں پلیز آج میں جو کچھ بھی ہوں آپ کی وجہ سے ہوں۔ اور میرے باپ کی کسی گناہ کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔ دادا آپ اور تایا میری زندگی میں سب سے اہم ہیں اور کوئی نہیں اسی لیے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کریں" دادا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "چلو بیٹا اب گھر چلتے ہیں۔ میں تمہیں مزید پریشانی میں نہیں دیکھ سکتا" وہ آنسو صاف کرتی سارا کے ساتھ کمرے میں گئی اور پیکنگ کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ سوٹ کیس کے ساتھ باہر آ گئی۔ دادا اب فرہاد کی کندھے کو ہاتھ سے تھپتھپا کر اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ وہ دور کھڑی فرہاد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی شہد رنگ آنکھوں سے مسکرا کر بہت ہی محبت اور عقیدت سے دادا کا ہاتھ چوم رہا تھا۔ پھر گاڑی میں سامان رکھے وہ سب سے الوداع کہتی اپنی راہوں پر دادا اور تایا کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔

سورج اپنی کرنیں ہر طرف بکھیر کر روشنی پھیلا رہا تھا۔ پرندے گھونسلوں سے نکل کر رزق کی تلاش میں ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ ایسے میں حیات ہاؤس میں افرتافری کا عالم تھا۔ گھر میں سامان اور لوگوں کی آمد سے زاریہ کی آنکھ کھلی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ وہ منہ ہاتھ دو کر بالوں کو جوڑے میں جکڑے دوپٹہ

گلے میں ڈالتی سیدھا دادا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اپنے کمرے سے اہ جیسے ہی نکلی تو دو آدمی میز اٹھائے اندر لاؤنج میں رکھ رہے تھے۔ فرنیچر کی جگہ میں تبدیلی ہوئی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ دادا اپنی روکنگ چئیر پر بیٹھے آنکھوں پر چشمے لگائے ہمیشہ کی طرح اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ چپکے سے دادا کے پیچھے جا کر رکی اور ان کے گرد اپنے بازو ہائل کر کے سلام کیا۔ دادا نے مسکرا کر اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر سلام کا جواب دیا۔ "دادا یہ باہر کیا چل رہا ہے۔ کون لوگ ہیں یہ اتنا اہتمام کیوں ہو رہا ہے؟" اس نے کہا تو دادا نے آنکھوں سے چشمہ اتارا اور اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھ دی۔ "اصل میں آج کچھ خاص مہمان آرہے ہیں۔ تم بھی شام کو تیار ہو جانا وہ سفید جوڑا جو تایا نے تمہیں ے حقے میں دیا تھا بیٹا وہ پہننا اور تھاڑا بناؤ سنگھار بھی کر لینا۔" اپنے کمرے میں آکر وہ کافی دیر سوچتی رہی کہ آخر کون لوگ آرہے تھے۔ دادا نے اسے تیار ہونے کو کیوں کہا تھا اور اسے بتا کیوں نہیں رہے تھے کہ کون آرہا تھا۔ شام کو وہ دادا کے کہے کے مطابق تیار ہو چکی تھی۔ وہ دادا کا کہنا کبھی نہیں ٹالتی تھی۔ اس نے آج بھی یہی کیا تھا۔ سفید فراک جس پر ہلکا تاروں اور گوٹے کا کام تھا زاریہ کا ی کوہ قاف کی پری معلوم ہوتی تھی۔ اس کی ایمرالڈ آنکھیں اسفید سوٹ کے ساتھ ایک الگ ہی خوبصورت امتزاج تھا۔ دوپٹہ ابھی اس کا بیڈ پر پھیلا تھا۔ دادا نے کہا تھا کہ وہ دوپٹہ سر ہر اوڑھے گی۔ اب دوپٹے کی ہی باری تھی۔ وہ دوپٹہ سیٹ کر کر رہی تھی جب اسے باہر سے آوازیں آئیں تھیں۔ ان میں سے کچھ آوازیں اسے جانی پہچانی لگیں تھیں۔ سارا باہر سارا آئی تھی۔ اس نے خوشگوار حیرت سے سوچا تھا۔ وہ ابھی باہر جانے لگی تھی کہ دروازہ کھول کر تایا اور دادا اندر آئے۔ اس نے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ تو کبھی بھی اس کے کمرے میں ایست نہیں آئے تھے پھر آج۔ اس نے خود سے سوچا۔ "ماشاءاللہ میری بیٹی بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھیں۔ کبھی کوئی غم تمہارے قریب نہ آئے آمین" اس

نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے آپ لوگ تو مجھے ایسے دعائیں دے رہیں ہے جیسے میری رخصتی ہو" تایا نے اس کے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور مسکرانے لگے۔ "رخصت ہی تو ہو رہی ہو۔ فرہاد کے ساتھ" فرہاد کے نام پر اس کی آنکھوں میں بے یقینی در آئی تھی۔ اس نے دادا کی جانب دیکھا تو وہ بولے۔ "بیٹا آج تمہارا نکاح ہے فرہاد کے ساتھ وہ اپنی امی اور حمزہ کے ساتھ آیا ہے اور سارا بھی آئی ہے" زاریہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ "آپ لوگوں نے یہ پلاننگ کب کر لی" دادا نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔ "تم کیا سمجھتی ہو بیٹا تم کسی کو پسند کرو گی اور ہم لاعلم رہیں گے" وہ نم آنکھوں سے دادا کے سینے سے لگی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعائیں دیں۔ باہر وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ دادا اور تایا اب زاریہ کو اس کت ساتھ بٹھا رہے تھے۔ ان کے ساتھ والے صوفے پر فائزہ بیگم بیٹھیں تھیں۔ "ماشاءاللہ زاریہ تم بہت خوبصورت ہو۔ فرہاد میرا سگا بیٹا تو نہیں ہے مگر میں نے اسے ہمیشہ سگوں سے بڑھ کر سمجھا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ کبھی تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں آنے دے گا۔ تم دونوں ہی بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایک دوسرے کا ساتھ مل رہا ہے۔ اللہ تم دونوں کو ڈھیروں خوشیاں دے اور ہمیشہ آباد رکھے" فائزہ بیگم کی باتوں سے زاریہ کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ اس نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اس نے ساتھ بیٹھے فرہاد کو دیکھا تو اس نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ "کیسی ہو؟" زاریہ نے بھی اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "بلکل ویسی جیسے تمہیں پہلی بار دکھی تھی" اب وہ دونوں سر جھکا کر ہنس دیے تھے۔ نکاح خواں اب نکاح پڑھوا رہا تھا۔ سارا اور حمزہ صوفے کے پیچھے کھڑے تھے۔ دستخط ہو چکے تو تایا اور دادا باری باری فرہاد کو گلے لگا کر مبارک باد دے رہے تھے۔ سارا نت پیچھے سے جھک کر زاریہ کے کندھوں کو پکڑا اور کان میں سرگوشی کی۔ "مبارک ہو میری دوست اتنا ہینڈسم شوہر ملنے پر" وہ سارا کی طرف دیکھ کر ہنس دی تھی۔ مبارک باد کا

سلسلہ ختم ہوا تو فرہاد واپس زاریہ کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ "مبارک ہو مسز فرہاد" اس نے زاریہ کی طرف جھک کر کہا تھا۔ "آپ کو بھی مبارک ہو زاریہ کے شوہر" اور وہ ہنس دیا تھا۔

سورج ابھی نیا نیا ابھر رہا تھا۔ چڑیوں کے چہچہانے کا آغاز ہو چکا تھا۔ کسی نے اس کے اوپر سے کمفرٹر اتارا تھا۔ "دادا سونے دیں مجھے پلیز" کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے فرہاد کھڑا تھا۔ "کمال ہے اپنے شوہر کو دادا بنا دیا ہے آپ نے تو" زاریہ نے آنکھیں مل کر اسے دیکھا۔ "کیا فرہاد تم؟" اسے تو جیسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ "مسز فرہاد آپکی غلطی سے شادی ہوئی تھی کل اور اب آپ یہاں اپنے شوہر کے ساتھ لاہور میں اپنے سسرال میں موجود ہیں" زاریہ نے دوبارہ کمفرٹر اوپر ڈالنا چاہا مگر فرہاد نے کمفرٹر پکڑ لیا۔ "اچھا مسٹر فرہاد تو کون شادی کے پہلے ہی دن اپنی بیوی کو صبح سات بجے اٹھاتا ہے" فرہاد اب اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ "ہاں تو میں کونسا کہہ رہا ہوں کہ اٹھ کر جھاڑو لگاؤ۔ پلیز تیار ہو جاؤ نہ مجھے تمھیں کہیں لے کر جانا ہے" زاریہ نے اس کی معصوم شکل کو دیکھا تو اسے ہنسی آئی تھی جو اس نے بہت مشکل سے روکی تھی۔ "اچھا تو تھوڑی دیر رو سونے دو نو بجے چلیں گے" فرہاد بھی ضد پر اڑا تھا۔ "نہیں نہ وہ ابھی دکھانی ہے" آخر ہی زاریہ کو ہار ماننی پڑی تھی۔ "ٹھیک ہے بس پانچ منٹ اور سالوں پھر چلتے ہیں" فرہاد کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ "ٹھیک ہے میں فریش ہونے جا رہا ہوں اور واپس آؤں رو تم بستر سے بستر ہو اوکے؟" اس نے اوکے پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ واپس آیا تو زاریہ پیلا فراک نکالے کھڑی تھی۔ "یہ پہن لوں" فرہاد نے ایک نظر اسے دیکھا پھر فراک کو۔ "امم۔۔ نہیں رکو میں بتاتا ہوں" وہ واڈروب کے پاس آیا اور سارے سوٹ باری باری دیکھنے لگا۔ "یہ والا پہنو تم پر یہ بہت اچھا لگتا ہے" اس نے سفید سوٹ نکال کر زاریہ کو دکھایا تھا۔ زاریہ نے اس کے کہنے ہر پیلا واپس رکھ دیا اور یہ

سوٹ لے کر چینج کرنے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر باہر آئی تو فرہاد اسے بس دیکھے گیا۔ " کیسی لگ رہی ہوں" اس نت دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا تھا۔ " بلکل مسز فرہاد جیسی" وہ اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔

پارک میں صبح کا وقت تھا اور چند لوگ ہی آئے تھے۔ وہ دونوں بینچ پر بیٹھے سامنے درختوں اور جھولوں کو دیکھ رہے تھے۔ زاریہ نے گردن موڑ کر ساتھ بیٹھے فرہاد کو دیکھا تھا۔ پھر دور درختوں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ "میں یہاں بچپن میں امی کے ساتھ آتی تھی" زاریہ نے جھولوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ "تو مجھے یاد ہے تب اس بینچ پر ایک گیارہ بارہ سال کا بچہ بیٹھا ہوتا تھا۔ میں وہاں اس سلائڈ کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھتی تو مجھے وہ بچہ نظر آتا میں اسے بلاتی رہتی تھی مگر وہ ہلتا ہی نہیں تھا بس میری آنکھوں میں دیکھتا رہتا تھا" فرہاد نے زاریہ کا ہاتھ تھاما۔ " تمہیں کیا لگتا ہے وہ لڑکا اب کیا کر رہا ہو گا" فرہاد نے اس کے جواب کا انتظار کرتے ہوئے اس کے تاثرات کو دیکھا۔ "امم پتہ نہیں" فرہاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ " مجھے پتہ ہے وہ اس وقت کیا کر رہا ہو گا" زاریہ نے سوالیہ نظروں سے فرہاد کو دیکھا تھا۔ "وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ اس پارک میں اسی بینچ پر بیٹھا اسے یہ راز بتا رہا ہو گا" زاریہ نے حیرت سے اسے دیکھا پھر منہ پر ہاتھ رکھا۔ "ت۔۔ تم وہ بچہ۔۔۔ وہ تم تھے؟ ایک منٹ سولا سال۔۔۔ اس سے تمہارا یہ مطلب تھا" زاریہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ فرہاد نے اس کے بال کان کے پیچھے کیے اور غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔ "ہاں وہ بینچ پر بیٹھا بچہ میں تھا وہ اس دن تمہاری آنکھوں سے مسمرائز ہوا تھا اور پھر ہر رات وہ انہیں آنکھوں کو اپنے خواب میں دیکھتا تھا۔ زاریہ اس نے سولا سال صرف تمہارے بارے میں سوچا تھا۔ صرف تم سے محبت کی تھی۔ " فرہاد کی آنکھوں میں وہ آج پہلی بار آنسو دیکھ رہی

تھی۔ زاریہ نے انگلی کے پوروں سے اس نے گال پر آئے آنسو کو صاف کیا تھا۔ اس نے زاریہ کو سینے سے لگایا تھا۔ وہ اسے اب کبھی نہیں الگ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کی کل کائنات تھی۔ اس کی عزیزم تھی۔

....

ختم شد۔

NOVEL IN URDU